رجسٹر نمبر ایل ۱۷۷۵

قال اللہ تعالیٰ وقرآناً فرقناہ لتقرأہ علی الناس علی مکث ونزلناہ تنزیلا

چوں آیت موصوف دال ست بر نافعیت تعلیم تدریجی برائے عامۂ ناس

حاضر باشد یا بادی، و نیز بر ضرورت تعلیم علوم قرآنیہ یعنی دینیہ کہ مشتمل ست بر

مقاصد و مبادی، پس اتباعاً للنص المذکور ایں صحیفۂ شہریہ کہ مستدرج ست بتدریج شہور

مسمّیٰ بہ

الہادی

نمبر ۲ | بابت ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ | جلد ۴

کہ جامع ست انواع علوم دینیہ را برائے ہر طالب و جادی و مذکر ست در ہر محفل و نادی

و مسکن ست برائے ہر جائع و صادی، بصورت ترجمہ رسالہ ترغیب و ترہیب و تسہیل المواعظ

و حل اغلاقات کلید مثنوی و تشرف و امیر الروایات کہ اکثر آں مستفاد ست از

درگاہ ارشادی یعنی خانقاہ اشرفی امدادی، باہتمام محمد عثمان نامی، در شہر اسلامی

در محبوب المطابع دہلی مطبوع گردید

[illegible]

فہرست مضامین

رسالہ الہادی بابت جمادی الثانی ۱۳۴۶ھ

جو بہ برکت دعا حکیم الامۃ محی السنۃ حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب مدظلہم العالی

کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی سے شائع ہوتا ہے

اُصول و مقاصد رسالہ الہادی اور ضروری اطلاعیں

(۱) رسالہ ہذا کا مقصود اُمتِ محمدیہ کے عقائد و اخلاق و معاشرت کی اصلاح ہے۔

(۲) یہ رسالہ ہر قمری مہینے کی تیسری تاریخ کو بحمد اللہ عین تاریخ ہی پر شائع ہوتا ہے۔

(۳) رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ سے یہ رسالہ معہ ٹائٹل تین جز کا کر دیا گیا ہے اور قیمت سالانہ وہی دو روپے آٹھ آنے۔ (عہ)

(۴) سوائے ان صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے ہیں جملہ حضرات خریداران کی خدمت میں رسالہ وی پی بھیجا جائیگا اور دو آنہ خرچ رجسٹری اضافہ کر کے عہ کا وی پی روانہ ہوگا جسپر دو آنہ فیس منی آرڈر ڈاکخانہ اضافہ کریگا اور دو روپے بارہ آنے کا وی پی پہنچے گا

(۵) جن حضرات کی خدمت میں نمونہ کے طور پر رسالہ ارسال کیا جاتا ہے وہ جبتک قیمت پیشگی نہ بھیجیں گے یا وی۔ پی کی اجازت نہ دینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائے گا۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں خریدار ہونگے انکی خدمت میں کل پرچے شروع جلد۔ یعنی جمادی الاول ۱۳۴۶ھ سے بھیجے جائینگے اور ابتدا سال سے خریدار سمجھے جائینگے اور اگر الہادی کی جلد اول و دوم و سوم درکار ہوں طلب فرما دیں مگر اسکی قیمت فی جلد تین روپے ہے علاوہ محصول ڈاک

الراقم

محمد عثمان مالک و مدیر رسالہ الہادی دہلی

اور ایسے ہی جو شام کو پڑھ لیا کرے۔ احمد ونسائی نے اس حدیث کو روایت کیا یہ الفاظ نسائی کے ہیں۔ ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ اس حدیث کے الفاظ اس سے قبل اذکار صبح ومغرب کے بیان میں آچکے ہیں۔ امام احمد نے اپنی روایت میں یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ کے الفاظ ولہ الحمد کے بعد زائد کئے ہیں اور انکی روایت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ ہر ایک مرتبہ کے پڑھنے کے عوض میں دس حسنات لکھدینگے (اس حساب سے دس مرتبہ پڑھنے سے سو حسنات لکھے جائینگے) اور دس گناہ انکی وجہ سے معاف ہونگے اور دس درجات بڑھیں گے اور (ثواب کے اعتبار سے) یہ کلمات دس غلاموں کے برابر ہو جائینگے اور اس (کی حفاظت) کے لئے ایک مسلح فوج (کی مانند) صبح سے شام تک بنے رہینگے۔ اور اس روز کوئی ایسا (بُرا) کام اس سے سرزد نہ ہوگا جو (اپنی برائی کے اندر) ان پر غالب آجائے (یعنے ہر قسم کے بُرے کاموں کے واسطے یہ کلمات کفارہ بنتے رہینگے) اسکو طبرانی نے بھی امام احمد کی مانند روایت کیا ہے اور دونوں کی سند جید ہے۔

۲۹۱ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۂ دخان تمام اور سورہ غافر کا اول حصہ والیہ المصیر تک اور آیۃ الکرسی شام کے وقت پڑھ لیا کرے وہ انکی وجہ سے صبح تک (مصائب سے) محفوظ رہیگا اور جو شخص صبح کے وقت پڑھ لیا کرے وہ شام تک محفوظ رہے گا اسکو ترمذی نے روایت کیا اور حدیث غریب کہا، بعض لوگوں نے عبدالرحمن ابن ابی بکر کے حفظ میں کلام کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے دن کو بھلائی کے ساتھ شروع کرتا ہے اور بھلائی کے ساتھ ختم کر دیتا ہے (یعنے صبح وشام اوعیۂ اذکار پڑھ لیتا ہے) تو اسکے بارے میں اللہ پاک عزوجل اپنے ملائکہ سے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس شخص سے دن کے درمیانی حصہ میں جو گناہ سرزد ہوئے ہیں ان کو بھی مت لکھو طبرانی نے اسکو روایت کیا اسناد اسکی انشاء اللہ حسن ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی سے ارشاد فرمایا کہ جو مین تم کو نصیحت کرتا ہوں اسکے سننے سے کیا چیز تمکو مانع ہے

(یعنے کچھ نہیں، غور سے سنو!) تم صبح اور شام کے وقت یہ دعا پڑھا کرو۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ اِبْرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ، اَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّہٗ وَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ (ترجمہ) اے حی وقیوم! میں تیری رحمت سے داد چاہتی ہون کہ آپ میری حالت کو درست فرمایئے اور چشم زدن کے لئے بھی مجھکو (یعنے میری اصلاح اور حفاظت کو) میرے اوپر نہ چھوڑ دیجئے (بلکہ ہر وقت اپنی حفاظت وحمایت میں رکھئے) **ف** یہ طریقہ خطاب مزید اہتمام اور التفات کے لئے اختیار فرمایا تھا تاکہ رغبت عمل اور توجہ قوی ہو اور تساہل نہ ہو۔ نسائی اور بزار نے باسناد صحیح روایت کیا اور حاکم نے علی شرط الصحیحین صحیح کہا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انکا ایک کھجورون (کے خشک کرنیکا) کھلیان تھا اسمیں روزانہ نقصان ہوجایا کرتا تھا (اور کھجورین گھٹ جاتی تھیں اور پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون لیجاتا ہے آخر) ایک مرتبہ رات کو انھون نے خود چوکسی شروع کی تو (کیا دیکھتے ہیں کہ) اچانک ایک چوپایہ جوان آدمی کے مانند انکے سامنے ہے انھون نے اسکو سلام کیا اس نے (باقاعدہ) سلام کا جواب دیا پھر انھون نے کہا کہ تو کیا (بلا) ہے جن ہے یا انسان! اس نے کہا کہ مین جن ہوں۔ انھون نے کہا کہ ذرا مجھے اپنا ہاتھ تو پکڑا اسنے (بلا تکلف) انھیں اپنا ہاتھ پکڑا دیا تو یہ کیا دیکھتے ہیں کہ اسکے ہاتھ بھی کتون کے سے ہیں اور ان پر بال بھی کتون کے سے انھون نے (حیران ہوکر) کہا کہ کیا یہی جنون کی خلقت ہے اس نے کہا کہ (حیران مت ہو) تمام جن مانتے ہوتے ہیں کہ ان میں مجھ سے بڑھکر کوئی سخت اور (بہادر) جن نہیں انھوں نے کہا کہ (اچھا یہ تو بتلایئے) کہ آپ کو یہاں کیا چیز کھینچ کر لائی ہے اس نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ صدقہ خیرات کو بہت پسند کرتے ہیں لہذا ہم بھی آئے تھے کہ آپ کے سامان خورد ونوش میں سے ہمیں بھی کچھ ملجائیگا انھون نے کہا (کہ بس کرم کیجئے اور یہ بتلایئے کہ) تم سے ہم کس چیز کے ذریعہ سے محفوظ رہ سکتے ہیں کہنے لگا یہ سورہ بقرہ کی آیت اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم (آیۃ الکرسی تمام) جو آدمی اس آیتہ کو شام کے وقت پڑھ لیا کرے وہ صبح تک ہم سے محفوظ رہیگا اور جو صبح کو پڑھ لے وہ شام تک ہم سے محفوظ رہے گا جب صبح ہوئی تو حضرت ابی بن کعب نے

۲۹۲

اس واقعہ کو حضور کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے ارشاد فرمایا خبیث نے کہا تو سچ ہے اسکو نسائی اور طبرانی نے بسند جید انہی الفاظ سے روایت کیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سمرۃ بن جندب نے ایک روز کہا کہ میں تم سے وہ حدیث کیوں نہ بیان کروں جسکو میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بار ہا سُنا حضرت ابوبکرؓ سے بار ہا سُنا حضرت عمر سے بار ہا سُنا میں نے کہا کہ کیوں نہیں ضرور بیان کیجئے فرمانے لگے جو آدمی صبح اور شام ان الفاظ کے ساتھ دُعا مانگے گا۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنْتَ تَھْدِیْنِیْ وَاَنْتَ تُطْعِمُنِیْ وَاَنْتَ تُسْقِیْنِیْ وَاَنْتَ تُمِیْتُنِیْ وَاَنْتَ تُحْیِیْنِیْ (اے میرے اللہ آپ نے ہی مجھکو پیدا کیا، آپ ہی مجھکو ہدایت فرماتے ہیں، آپ ہی کھلاتے ہیں، آپ ہی پلاتے ہیں، آپ ہی ماریںگے، آپ ہی جلائینگے) وہ اللہ تعالےٰ سے جو کچھ بھی مانگے گا خدا تعالےٰ اسکو ضرور دینگے۔ پھر سمرۃ کہنے لگے کہ میں ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام (یہ اہل کتاب میں سے تھے اور اسلام لے آئے تھے) سے ملا اور میں نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ سے ایسی حدیث نہ بیان کروں جسکو میں نے بار ہا حضورؐ سے سُنا اور بار ہا ابوبکرؓ سے اور بار ہا عمرؓ سے؟ انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں ضرور بیان کیجئے تو میں نے ان سے بھی حدیث بیان کی (وہ سُنکر) کہنے لگے کہ فدا ہوں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ یہی ہیں وہ کلمات جو خداوند تعالےٰ نے موسےٰ علیہ السلام کو عنایت فرمائے تھے اور وہ روزانہ سات مرتبہ ان کلمات کیساتھ دعا مانگتے تھے اور جو کچھ بھی خدا سے مانگتے تھے اللہ پاک انکو وہی دیتے تھے۔ طبرانی نے اوسط میں باسناد حسن روایت کیا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک دعا سکھلائی تھی اور ارشاد فرمایا تھا کہ تم خود بھی اسے روانہ پابندی سے پڑھا کرو اور اپنے گھر والوں سے بھی اسکی پابندی کراؤ۔ آپنے فرمایا کہ صبح کیوقت پڑھا کرو لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ فِیْ یَدَیْکَ وَمِنْکَ وَاِلَیْکَ اَللّٰھُمَّ مَا قُلْتُ مِنْ قَوْلٍ اَوْ حَلَفْتُ مِنْ حَلْفٍ اَوْ نَذَرْتُ مِنْ نَذْرٍ فَمَشِیْئَتُکَ بَیْنَ یَدَیْہِ مَاشِئْتَ کَانَ وَمَا لَمْ تَشَأْ لَمْ

يكن لا حول ولا قوة الا بك انك على كل شيء قدير اللهم ما صليت من صلوة فعلى
من صليت وما لعنت من لعنة فعلى من لعنت انك ولي في الدنيا والآخرة توفني
مسلما والحقني بالصالحين اللهم اني اسئلك الرضى بعد القضا وبرد العيش بعد
الموت ولذة النظر الى وجهك وشوقا الى لقاءك في غير ضراء مضرة ولا فتنة مضلة
واعوذبك اللهم اني اظلم او اظلم او اعتدي او يعتدى علي او اكتسب خطيئة او ذنبا
لا تغفر اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة ذو الجلال والاكرام
فاني اعهد اليك في هذه الحياة الدنيا واشهدك وكفى بالله شهيدا اني اشهد ان
لا اله الا انت وحدك لا شريك لك لك الملك ولك الحمد وانت على كل شيء قدير واشهد
ان محمدا عبدك ورسولك واشهد ان وعدك حق ولقاءك حق والجنة حق والساعة
اتية لا ريب فيها وانك تبعث من في القبور وانك ان تكلني الى نفسي تكلني الى ضعف
وعورة وذنب وخطيئة واني لا اثق الا برحمتك فاغفر لي ذنوبي كلها انه لا يغفر الذنوب
الا انت وتب علي انك انت التواب الرحيم، ترجمہ۔ حاضر ہوں میں (آپکی بارگاہ میں)
اے اللہ! حاضر ہوں، (سر تسلیم خم) موجود ہوں آپکے حضور مین اور تیار ہوں آپکی اطاعت
کے لئے، بھلائی صرف آپکے قبضہ میں ہے آپ ہی (کے پاس) سے (آتی) ہے اور آپ ہی
کی طرف (لوٹتی) ہے، اے اللہ! جو بات میں کہتا ہوں جو قسم میں کھاتا ہوں جو نذر میں مانتا
ہوں آپ کی مشیت ان سب کے پیش پیش ہے (یعنے نیت آپکے ارادے سے ہے) جو
آپ نے چاہا ہوا جو نہ چاہا نہ ہوا، طاقت و قدرت (سب) آپ ہی کی دی ہوئی ہے، بیشک
آپ ہر چیز پر قادر ہیں، اے اللہ! جس پر آپ کوئی رحمت فرمائیں اس پر رحمت ہوتی ہے
اور جسکو آپ رحمت سے دور فرمائیں وہی رحمت سے دور رہتا ہے (لہذا) یقیناً آپ ہی
میرے دنیا و آخرت میں ولی (مددگار و محافظ) ہیں، مجھے حالت اسلام پر (دنیا سے)
اٹھایئے اور نیک بندوں میں شامل فرمایئے، اے اللہ! میں آپ سے درخواست کرتا ہوں
تقدیر پر شاکر ہونے کی اور موت کے بعد راحت بخش حیاۃ (جاودانی) کی اور روئے انور کے
لذت دیدار کی اور آپ کے شوق ملاقات کی بغیر کسی تکلیف دہ مضرۃ اور گمراہ کن فتنہ کے،

اے اللہ! میں آپ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں کسی پر ظلم کروں یا مجھپر ظلم کیا جائے اور میں کسی پر زیادتی کروں یا مجھپر زیادتی کیجائے یا یہ کہ میں کسی چھوٹے بڑے گناہ کا مرتکب ہوں لیکن (اگر ہوں تو) تو آپ اسکو معاف فرمادیں، اے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے! حاضر و غائب کے جاننے والے! بزرگی و اکرام کے مالک اللہ! میں آپ سے اسوقت دُنیاوی زندگی میں عہد کرتا ہوں اور آپ کو اسپر گواہ بناتا ہوں اور بس ایک اللہ ہی گواہ کافی ہے (اس سے بڑھکر اور کون گواہ ہوگا) کہ میں سچے دل سے اقرار کرتا ہوں کہ سوائے آپ کے اور کوئی معبود نہیں، آپ تنہا ہیں، کوئی آپ کا شریک نہیں، آپ ہی کا تمام جہان ہے (لہذا) آپ ہی کیلئے حمد ہے اور آپ ہر چیز پر قادر ہیں نیز میں اقرار کرتا ہوں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کے بندے ہیں اور رسول ہیں، نیز میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ کا ہر وعدہ حق ہے، آپ کے (دربار میں) حاضر ہونا حق ہے اور جنت بھی حق ہے اور قیامت (یقیناً) آنیوالی ہے اسمیں کوئی شک و شبہ نہیں اور آپ ضرور قبروں (میں سونے) والوں کو (زندہ کرکے) اٹھائینگے اور (یہ بھی جانتا ہوں کہ) اگر آپ مجھکو (یعنے میری ہدایت و حفاظت کو میرے اوپر چھوڑ دینگے تو گویا مجھکو کمزوری وعیوب، گناہ و خطایا (کے سہارے) پر چھوڑ دینگے (خدا نہ کرے) میں تو صرف آپ کی رحمت پر بھروسہ کرتا ہوں (لہذا) آپ ہی میرے تمام گناہوں کو معاف کیجئے کیونکہ بجز آپکے اور کون گناہوں کو معاف کرسکتا ہے اور آپ ہی میری توبہ قبول فرمایئے کیونکہ صرف آپ ہی (اپنے بندونکی) کثرت سے توبہ قبول کرنے والے اور رحیم ہیں امام احمد و حاکم نے اس حدیث کو روایت کیا اور صحیح الاسناد کہا اور ابن ابی العاصم نے ابتدائی ٹکڑا اسکا اسے القضا تک روایت کیا۔

حضرت وہب ابن ورد بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے مجھسے بیان کیا کہ میں (ایک روز) کچھ رات گئے ایک قبرستان کی طرف چلا (جب وہاں پہونچا) تو (اول تو) کچھ دھیمی دھیمی آوازیں (چلنے پھرنے کی سی) آئیں اور (اسکے بعد) ایک شور سُنائی دینے لگا (میں حیران ہوکر ادہر اُدہر دیکھنے لگا کہ اتنے میں) ایک تخت لاکر رکھا گیا اور کوئی چیز (جیسے

آدمی کی شباہت ہوتی ہے) اسپر آنکر بیٹھ گئی اور اسکا لشکر اسکے چارون طرف جمع ہو گیا (اور اچھا خاصہ ایک دربار لگ گیا) تب وہ (ایک ہیبت ناک آواز سے) چلایا اور (لشکر کی طرف متوجہ ہوکر) کہا کہ (اے بہادرو!) ہے کوئی جو عروۃ ابن زبیر (کے بہکانے کی اور گمراہ کرنے) کی ذمہ داری لے، خدا جانے کتنی مرتبہ (اسنے چلا چلا کر یہ کہا مگر کسی نے انہیں سے جواب نہ دیا آخر ایک (خبیث) ان میں سے بولا کہ میں تجھے اسکی ذمہ داری لیتا ہوں۔ (اور یہ کہکر) پھر وہ مدینہ کی طرف چلا اور خدا جانے کتنا وقت ہوا ہوگا مگر تاہم بہت جلد واپس آگیا اور کہا کہ عروۃ میری قدرت سے باہر ہے میں اسپر قابو نہیں پا سکتا اسنے کہا کہ تیرا ستیاناس ہو آخر کیوں (عروۃ میں ایسی کونسی بات ہے) اسنے کہا کہ وہ روزانہ صبح شام کچھ ایسے کلمات پڑھ لیتا ہے کہ جنکی وجہ سے کوئی انکے پاس نہیں پھٹک سکتا (اسکے بعد یہ شیطانون کی کانفرنس ناکام ختم ہوگئی) صبح ہوتے ہی میں نے اپنے گھر کے آدمیوں سے سامان سفر تیار کرایا (اور حضرت عروۃ کی ملاقات کے ارادہ سے چلدیا مدینہ پہونچا اور لوگون سے حضرت عروۃ کا پتہ دریافت کیا لوگون نے مجھکو انکی جگہ بتائی وہاں پہونچکر میں نے دیکھا کہ ایک بہت بوڑھے اور بزرگ شخص ہیں (ان سے ملاقات کرنیکے بعد) میں نے عرض کیا کہ آپ صبح شام کچھ پڑھا کرتے ہیں؟ انھوں نے تبلانے سے انکار کیا تب مین نے ان کو سارا قصہ جو کچھ دیکھا اور سُنا تھا سُنایا اسپر وہ (حیران ہوکر) کہنے لگے کہ میں تو بجز اسکے اور کچھ نہیں جانتا کہ صبح شام یہ دُعا پڑھ لیا کرتا ہوں اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَکَفَرْتُ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَاسْتَمْسَکْتُ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ: تین مرتبہ صبح اور تین مرتبہ شام۔ **ترجمہ** میں ایمان لایا ہوں اللہ بزرگ و برتر پر اور میں نے کفر کیا بتوں اور شیطانون سے اور مَیں تھام چکا ہون اللہ کی نہ ٹوٹنے والی مضبوط رسی کو اللہ پاک (میری ان باتوں کو) سننے والا اور (دستکے حال کو) جاننے والا ہے ابن ابی الدنیا نے مکائد الشیطان میں اس حدیث کو روایت کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (اللہ تعالےٰ کے مقرر کردہ) نگران (اور بندو ںکے اعمال کو ضبط (نوٹ) کرنے والے)

فرشتے جب بھی اللہ عزوجل کے سامنے اپنی دن یارات کی کارگزاری (کے کاغذات پیش کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ اس مثل کے اول وآخر میں نیکیاں (درج) پاتے ہیں تو اسیوقت فرشتون کو مخاطب کرکے ارشاد فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو میں نے اپنے اس بندہ کی مثل میں جو تھوڑے بہت گناہ ہیں معاف کردیئے۔ ف حدیث سے معلوم ہوا کہ خصوصیت کے ساتھ صبح اور شام کے ابتدائی حصون میں ضرور اعمال صالحہ اور دعاء واذکار کے اندر مشغول ہونا چاہیئے تاکہ کراماً کاتبین یعنے ہمارے اعمال کو نوٹ کرنیوالے فرشتے جو ہمارے شب وروز کے کارنامون کے کاغذات مرتب کریں تو انکے اول وآخر میں نیکیون اور بھلائیوں کا ذکر ہو اور اللہ تعالےٰ اپنی کریمی سے اس وعدہ کے بموجب صرف ان ہی دو چار بھلائیون کو دیکھکر بقیہ سے چشم پوشی فرمائیں اور ہمارے شب وروز کے گناہ اس ترکیب سے معاف ہوجائیں۔ اس حدیث کو ترمذی اور بیہقی نے بروایۃ تمام بن نجیح عن الحسن روایت کیا۔

اگر کسی شخص سے شب کا وظیفہ (یا جو کچھ وہ رات کو نماز تہجد وغیرہ پڑھتا ہو) چھوٹ جائے تو دوسری وقت اُس کو ادا کرنے کی ترغیب

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے (محبوب) دوست (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھکو (یہ وصیت کی ہے) ہر ماہ میں تین روزے (رکھنے) کی اور (ہر روز) چاشت کی نماز (پڑھنے) کی وصیت کی ہے (نیز فرمایا ہے کہ) سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کرون ف جو لوگ تہجد گذار نہین یا انکی نیند غافل ہے اور پچھلی شب کو اٹھنے کا کامل بھروسہ نہیں تو ایسے لوگون کو چاہیئے کہ وہ نماز عشا کے بعد ہی وتر پڑھ لیا کریں اور جو لوگ تہجد گذار ہیں اور انکو پچھلی شب کو بیدار ہونے کا کامل بھروسہ اور اسنادی تو ان کے لئے سنت یہ ہے

کہ وہ وتر نماز تہجد کے بعد پچھلی رات کو پڑہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی نیند غافل ہو گی یا مشاغل کثیر ہونے کی وجہ سے پچھلی شب کو اُٹھنے پر اعتماد نہ ہوگا اس وجہ سے آپ نے انکو یہ وصیت فرمائی ہے اور یہ قرین قیاس بھی ہے کیونکہ ابو ہریرہ مدرسہ نبوی یعنے (صفّہ) کے ان مشاہیر اور ممتاز طلبا (اصحاب صفّہ) میں سے ہیں جنکا معیار زندگی لسانِ نبوت سے علوم و معارف سُننا اور یاد کرنا تھا اور اسی وجہ سے یہ کثرت سے احادیث روایت فرماتے ہیں۔ **ف** نماز چاشت کم از کم دو رکعتیں اور زاید سے زائد بارہ رکعتیں ہیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی مختلف ہے جیسا موقعہ اور وقت ہوا اسکے مناسب پڑہی گئی ہیں۔ اسکا وقت یہ ہے کہ آفتاب اسقدر بلند ہو جائے کہ نگاہ اسپر نہ جم سکے جسکو ایک نیزہ کی بلندی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

اِس حدیث کو بخاری مسلم ابو داؤد نے اور ترمذی نسائی نے بھی اسکے مثل روایت کیا ابن خزیمہ نے کچھ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ روایت کیا ہے جنکا ترجمہ یہ ہے " مجھے میرے محبوب (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تین باتوں کی وصیت فرمائی جنکو چھوڑنے کے لئے میں کسیطرح تیار نہیں (۱) رات کو بغیر وتر پڑھے نہ سوؤں (۲) چاشت کی دو رکعتیں نہ چھوڑوں یہ صلواۃ اوابین ہے (۳) ہر مہینہ میں تین روزہ رکھوں۔

ف ان تین روزوں کے متعلق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا عمل مختلف رہا ہے کبھی آپ نے مہینہ کی ابتدائی تاریخوں میں رکھے (کما فی الترمذی عن عبد اللہ بن مسعود) کبھی آپ نے ۱۳۔۱۴۔۱۵۔ کو رکھے ہیں (کما فی النسائی عن ابن عباس) اور حضرت ابوذر کو ان تاریخوں میں یہ تین روزے رکھنے کی بابت ارشاد فرمایا ہے (کما فی الترمذی و النسائی عن ابی ذر) اور اصل یہ ہے کہ تاریخوں کی کچھ تخصیص نہیں جب چاہتے تھے رکھ لیتے تھے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں لم یکن یبالی من ای ایام الشہر یصوم۔ یعنے آپ کچھ خاص رعایت نہیں فرماتے تھے جب چاہتے رکھ لیتے (مسلم)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر (روز جب) صبح (ہوتی ہے تو) تمہارے ہر عضو پر صدقہ واجب ہوتا ہے۔

۲۹۸

تو اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی ہلکی سی بات بھی چھوڑنے کے قابل نہیں پھر سست کیسے نکل سکتا ہے
اور آجکل سست اسلام کا اس طرح نکالا گیا ہے کہ بعض نے تو صرف عقیدوں کی ضرورت سمجھی اور
نیک کاموں کی مثل نماز و روزہ کی کچھ ضرورت نہ سمجھی۔ اگرچہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ انھوں نے
عقیدوں کی کاٹ چھانٹ کی لیکن ایسے لوگ تو بہت کم ہیں گو ہیں ضرور۔ چنانچہ بعض لوگ
کہتے ہیں کہ نماز کی ضرورت اب نہیں رہی یہ عرب کے لوگوں کے لئے مقرر ہوئی تھی کیونکہ وہ
لوگ وحشی تھے اب ہم کو تمیز و تہذیب حاصل ہے ہم میں وحشی پن نام کو بھی نہیں رہا اسلئے
(توبہ توبہ) نماز کو اسلام سے نکالدیا جائے لاحول ولاقوۃ اس مشورہ کا سیدھا اور صحیح
جواب یہ ہے کہ یہ قرآن وحدیث شریف اور خدا و رسول کے حکم کے خلاف ہے افسوس ہے
کہ لوگ آجکل اس جواب کی قدر نہیں کرتے اور اسکو عاجزی کا جواب سمجھتے ہیں اور مولویوں سے
چاہتے ہیں کہ وہ ہر سوال کے جواب میں قرآن وحدیث کا حوالہ دینے کے ساتھ ہر قانون
کی عقلی وجہ بھی بتلایا کریں۔ صاحبو سرکاری قانون بہت سے ایسے ہیں جو عوام کی عقل میں نہیں
آتے پھر انکی کیوں وجہ نہیں پوچھتے آخر دونوں میں کیا فرق ہے بس فرق کی صرف یہ وجہ
ہے کہ اس قانون کی دلوں میں عزت ہے اور اسلامی قانون کی عزت نہیں ورنہ اگر اسکی
بھی دلوں میں عزت ہوتی تو ہرگز اسکی مصلحتیں نہ دریافت کرتے دیکھئے انسان کو اگر کسی سے
محبت ہو جاتی ہے تو اسکے سامنے کیسا سر جھکا دیتا ہے اور اسکے کسی حکم کی وجہ نہیں پوچھتا
مجنوں کی لیلیٰ کے عشق میں کیا حالت ہو گئی تھی تو کیا خدا کی محبت لیلیٰ کی محبت سے بھی کم ہو گئی
غور کیجئے محبوب اگر عاشق سے دس روپے مانگے تو عاشق کبھی یہ نہیں پوچھتا کہ دس ہی روپے
کی کیا خصوصیت ہے اس سے زیادہ یا کم کیوں نہیں مانگتے بلکہ عاشق تو اسکو غنیمت
سمجھتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ مجھ سے فرمائش کی گئی افسوس ایک مردار کی تو فرمائش
ہی پر خوشی ہو اور کسی وجہ کے معلوم ہونے کا انتظار نہیں اور خدا تعالےٰ کے حکم کی وجہ تلاش
کیجائے۔ اور میں مولویوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ ان عقلی مصلحتوں کے دریافت کرنے
والوں پر اتنی شفقت نہ کیا کریں اور خواہ مخواہ عوام کو دلیر نہ بنائیں۔ رہا یہ ڈر کہ بعض
لوگ مصلحتیں نہ معلوم ہونے سے اسلام ہی سے نکل جاوینگے تو میں کہتا ہوں بلا سے

نکل جائیں۔ اسلام کو ایسون کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اسلئے پوچھتے ہیں
تاکہ دوسروں کو بتلائیں۔ مخالفون کو جواب دیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ تم اسلام کی خدمت
اپنے اندازہ کے موافق کرو اپنے اندازہ سے آگے نہ بڑھو اگر تم نے دوچار باتیں معلوم
کرکے مخالفوں کے ایک دو اعتراضوں کا جواب دے ہی دیا تو ان کے سوا اور اعتراضوں
کا جواب کیسے دوگے۔ بس تم تو مخالفون کو یہ جواب دیدیا کرو کہ چلو اس اعتراض کا جواب
ہمارے علما سے سن لو۔ عوام کو چاہیئے کہ وہ اپنے درجہ پر رہیں اس سے آگے نہ بڑہیں
یہ اُن لوگون کا ذکر تھا جنھون نے عقائد میں کاٹ چھانٹ کی ہے اور یہ کم ہیں۔ باقی
نیک کاموں میں کاٹ چھانٹ کرنیوالے تو بہت ہی ہیں۔ اور گو بعض نے عقیدوں کے
اعمال کو بھی ضروری سمجھا مگر کسی نے تو صرف نماز ہی کو اختیار کیا اور زکوٰۃ کو چھوڑ دیا کیونکہ
اس سے دیکھا کہ اگر میرے پاس چار ہزار روپیہ ہوگا تو اس میں سے سو روپیہ دینا پڑیگا
اس لئے اسکو بالکل ہی چھوڑ دیا انکی وہ حالت ہے جیسے کسی بخیل سے اسکے دوست نے
انگوٹھی مانگی تھی تاکہ نشانی کے طور پر پاس رہے اس نے کہا کہ جب اپنا ہاتھ خالی
دیکھا کروگے تو مجھے یاد کرلیا کیجیو کہ ہم نے ایک دوست سے انگوٹھی مانگی تھی مگر اس نے
نہیں دی تو مسلمان کیا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ سے بھی صرف ایسی ہی محبت رکھیں
کہ صرف نماز تو پڑھ لیا کریں تاکہ اسکے ذریعہ سے بزرگون میں داخل سمجھے جائیں باقی اور
اعمال کو چھوڑ دیں ایسا ہرگز نہ ہونا چاہیئے بعض نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کو بھی لیا لیکن حج
کو چھوڑ دیا کہ اتنے دن تک دوکان بند کرنا پڑے گی نقصان ہوگا۔ سفر میں تکلیفین اٹھانا
پڑینگی۔ بعض نے اسکو بھی کیا لیکن ناجائز آمدنی کو نہ چھوڑا پھر اُن میں سے بعض نے تو رشوت
لینا شروع کردی بعض نے سود کھانا اختیار کیا اور کہتے ہیں کہ اگر رشوت لینا یا سود
لینا چھوڑ دیں۔ تو آمدنی ہی بند ہوجائے۔ یہ تو وہ خرابیاں تھیں جنمیں اکثر دنیادار پھنسے ہیں
اور بعض خرابیاں وہ ہیں کہ ان میں دیندار بھی پھنسے ہوئے ہیں دیکھیے اکثر لوگ جنھیں دیندار بھی
ہیں۔ ریل کے سفر میں اسباب زیادہ لیجاتے ہیں اور اسکا کرایہ دیتے نہیں حالانکہ یہ بالکل
ناجائز ہے خوب سمجھ لیجئے کہ قیامت میں یہ سب دینا پڑے گا۔ اسیطرح ڈاکخانہ کے

بعض قاعدے ہیں جیسے ایک ٹکٹ سے جب ایک مرتبہ کام لے لیں تو پھر دوبارہ اس سے
کام نہ لیں۔ پس اگر کسی ٹکٹ سے کام لے لیا ہو اور کسی وجہ سے اسپر مہر نہ لگی ہو تو اسکو دوسری
دفعہ کام میں لانا جائز نہیں۔ مجھے ایک قصہ یاد آیا کہ میرے ایک عزیز سے کسی نے پوچھا
کہ دینداری کیا ہے انھوں نے کہا کہ دینداری یہ ہے کہ ڈاکیا ایک لفافہ دیکر جائے
اور اسکا ٹکٹ مہر سے بچا ہوا نظر آئے اور اسوقت کوئی اس شخص کے پاس نہ ہو نہ کسیکو
خبر ہونے کا اندیشہ ہو اور وہ ٹکٹ صحیح و سالم اتار کر کام میں لا سکتا ہو اور وہ شخص ایسے
وقت میں صرف خدا کا خوف کرکے لفافہ کھولنے سے پہلے اس ٹکٹ کو اتار کر پھاڑ ڈالے
اگر کوئی ایسا کرے تو سمجھا جائے گا کہ یہ پورا دیندار ہے مقصود اس سے دینداری کی
ایک مثال دینا ہے یہ مقصود نہیں ہے کہ دینداری کی بس ایک یہی بات ہے اور اس سے
آپ نے اندازہ کیا ہوگا کہ اسلام کی کیا خوبیاں ہیں۔ خدا کی قسم اسلام چالاکیوں اور
مکاریوں کی ہرگز اجازت نہیں دیتا حدیث شریف میں ہے کہ کسیکو تکلیف دینا اسلام
میں نہیں ہے کسی کو ذرا سی تکلیف پہونچانا بھی اسلام کے خلاف ہے یہانتک حکم ہے کہ
جانور کو اگر ذبح کرو تو اسکو آرام پہنچاؤ یعنی چھری کو خوب تیز کر لیا کرو۔ کیا انتہا ہے
رحمت کی کہ ذبح جو کہ ظاہر میں تکلیف ہے مگر انسان کی شرافت کی وجہ سے اسکی اجازت دیدی
گئی ہے اسمیں بھی آرام پہنچانے کا کتنا بڑا خیال ہے رہا یہ شبہ کہ تکلیف تو ذبح کرنیسے
ہر حالت میں ہوگی چاہے چھری تیز کریں یا نہ کریں پھر ذبح کرنا کیوں جائز ہے سو اسکا
جواب یہ ہے کہ تم کو کیا خبر ہے کہ جانور کو خود مرنے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے یا ذبح ہونے
میں زیادہ ہوتی ہے اگر تکلیف کی وجہ سے ذبح پر شبہ ہے تو جانوروں کے خود مرنے
پر بھی شبہ ہونا چاہیئے کہ خدا ان کو موت ہی کیوں دیتا ہے۔ کیونکہ جس نے ذبح
کرنے کا حکم دیا ہے اسی کے حکم سے موت بھی آتی ہے غرض جس نے جانوروں پر رحمت
کا حکم کیا ہے وہ انسان کے لئے رحم کیوں نہ واجب کریگا پھر وہ کہ دغا بازی خیانت
کو کیسے جائز رکھے گا مگر افسوس ہے کہ ہم نے اسکی ذرا بھی رعایت نہ کی کیونکہ ہم رات دن اپنے
بھائیوں کو تکلیف پہنچاتے ہیں خاصکر جو لوگ بڑے کہلاتے ہیں انکا تو مخلوق کے ساتھ

اسلام کسی کو نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا ۱۱

برتاؤ بہت ہی خراب ہے میں نے ایک لیڈر صاحب کو دیکھا کہ وہ ریل میں سوار ہوئے
ایک قلی کے سر پر انکا اسباب تھا اسباب رکھوا کر انھوں نے قلی کو ایک گھسی ہوئی دوّنی
دی اس نے کہا کہ حضور یہ تو خراب ہے کہنے لگے ہم کیا کریں اس نے کہا بدل دیجئے۔
کہنے لگے ہم نہیں بدلتے اس نے کہا صاحب میں اسے لیکر کیا کرونگا کہنے لگے چلا دینا۔
اس نے کہا میں کیسے چلا دونگا تو کہتے ہیں جیسے ہم نے چلا دی۔ بھائی تم نے تو اس سے
چلا دی کہ تم بڑے شخص ہو تم سے دبکر قلی نے لے لی۔ اُس قلی بیچارے کا دباؤ کس پر ہے
تاکہ وہ بھی اپنے دباؤ سے چلا دے آخر وہ قلی روتا ہوا لوٹا اور گاڑی چھوٹ گئی۔ مجھے ایسا
افسوس ہوا کہ جب یہ عام جلسہ میں کھڑے ہو کر ہمدردی کے لکچر دیتے ہیں اسوقت انکی
زبان کیسے چلتی ہے اور کسقدر زور ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے برابر دنیا بھر
میں کوئی ہمدرد نہیں اور برتاؤ انکے اس قسم کے ہیں کہ غریبوں پر ذرا رحم نہیں صاحبو میں قسم
کھا کر کہتا ہوں کہ آپ مذہب کے پابند ہو کر تو ہمدردی کر سکتے ہیں ورنہ ہرگز نہیں کرسکتے

۱۳ اور یہ بات ان لوگوں کی حالت دیکھنے سے بالکل ظاہر ہے جو قومی ہمدردی کا دعوے
کرتے ہیں۔ اور دین کے پابند نہیں آپ تجربہ سے آزمائینگے کہ ان میں ہمدردی بھی خاک
نہیں افسوس اسوقت لوگوں نے مذہب کو بالکل چھوڑ دیا ہے اگر لوگ مذہب کے پورے
پابند ہو جاویں تو ہرگز کبھی کسی سے کسیکو تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے
کہ اسلام نے امن و امان کی کس قدر حفاظت کی ہے کہ کسیکو تھوڑی سی تکلیف پہنچانیکی
بھی اجازت نہیں دی۔ دیکھئے میں اسلام کے امن و امان کی دوسری مثال دکھلاتا ہوں
حدیث کے ایک امام نے جنکا نام ابن ابی الدنیا ہے حدیث بیان کی ہے کہ بادشاہوں کو
برا نہ کہو کیونکہ انکے دل تو میرے اختیار میں ہیں بلکہ مجھسے اپنے گناہوں کی معافی چاہو
میں انکے دلوں کو نرم کر دونگا اللہ اکبر کسقدر امن کا لحاظ رکھا ہے کہ حاکموں کو زبان
سے بھی کچھ کہنے کی اجازت نہیں اگرچہ ان سے کوئی تکلیف ہی پہونچی ہو کیونکہ حاکموں
کو برا کہنے سے حکومت کا رعب اور خوف دلوں سے نکل جاتا ہے جس سے بدمعاش
اور چوری کرنے والے بیخوف ہو کر جو چاہتے ہیں کرتے ہیں بلکہ اس صورت میں بجائے

اسلام کے امن و امان کی دوسری مثال

حاکمون کو بُرا کہنے کے یہ حکم ہے کہ میری تابعداری کرو غرض معاملات کے متعلق شریعت نے یہانتک امن وامان کی تعلیم کی ہے مگر لوگون کے معاملات کی حالت دیکھ لیجئے کہ کیا ہے اور بعض نے معاملات کو بھی لیا لیکن عادتیں خراب کرلیں حالانکہ شریعت نے اسکا بھی اسیقدر انتظام کیا ہے جسقدر معاملات وغیرہ کا۔ میں اسکے سمجھانے کے لیئے ایک مثال دکھلاتا ہون۔ قرآن شریف میں حکم ہے کہ دوسرون کے گھرون میں جبتک ان سے اجازت نہ لیلو داخل مت ہو حدیث میں اس اجازت لینے کی حد تبلادی ہے کہ تین مرتبہ اجازت چاہو اگر اجازت نہ ملے تو واپس چلے آؤ چوتھی بار مت پوچھو کیونکہ اس سے گھروالا تنگ ہوگا اور یہ حکم مردانہ مکان اور زنانہ مکان دونون کے لیتے ہے لیکن مردانے مکان کئی قسم کے ہوتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں کہ وہان آنے کی ہر شخص کو اجازت ہوتی ہے جیسے حاکمون کی عدالتیں یا ایسی بیٹھک جسمیں سب کو آنے کی عام طور پر اجازت ہو اور بعض مردانے مکان ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اس میں رہنے والے کو تنہائی مقصود ہوتی ہے اور یہ بات قرینہ سے معلوم ہوجاتی ہے تو وہاں بلا اجازت ہرگز نہ جاؤ دیکھئے شریعت کا حکم تو یہ ہے پھر کیا کوئی صاحب اسپر عمل کرتے ہیں اور اگر کوئی ایسا کرتے کو کہتا ہے تو اسپر طعنہ کیا جاتا ہے اور اسکے بعد یہ بھی شریعت کا حکم ہے کہ اگر اجازت نہ ملے۔ تو واپس چلے آؤ۔ آج یہ حالت ہے کہ ایک مرتبہ کوئی اجازت نہ دے پھر دیکھئے اس سے ایسے خفا ہونگے کہ عمر بھر بھی وہاں نہ جاوینگے اور اس سے بھی بڑھکر تعلیم امن وامان کی دوسری مثال لیجئے حکم ہے کہ جب نماز جمعہ سے فارغ ہوجاؤ اور کوئی دوسرا جلسہ بھی مثل وعظ وغیرہ کے نہ ہو تو سب جُدا جُدا ہوجاؤ اور کماؤ کھاؤ لیکن اس طرح کہ ہاتھ کام میں ہو اور دل یار میں ہو یعنی خدا کو نہ بھولو حاصل اسکا یہ ہے کہ جس کام کے لئے جمع ہوئے تھے جب وہ کام ہوچکے تو پھر ایک جگہ جمع نہ ہو کیونکہ بیکار جمع ہونے سے شاید کوئی فتنہ وفساد کھڑا ہوجائے اسی طرح حدیث میں ہے کہ اگر تین آدمی جمع ہون تو ان میں سے دو کو یہ جائز نہیں کہ ایک کو تنہا چھوڑکر آپس میں آہستہ آہستہ مشورہ کی باتیں کرنے لگیں اور تیسرے سے ان باتوں کو چھپائیں جبتک کہ تیسرا چلا نہ جائے یا کوئی چوتھا نہ آجائے کیونکہ تیسرے سے

چھپا کر اگر دو آپس میں باتیں کرینگے تو اسکو ناگوار ہوگا اور اسکے دل میں یہ خیال پیدا ہوگا۔
کہ انھوں نے مجھکو غیر سمجھا اور مجھسے پردہ رکھا اور جب چوتھا آجائیگا تو اس تیسرے کو اب
رنج نہ ہوگا کہ اسے یہ خیال ہوگا کہ شاید چوتھے سے بھید چھپانا مقصود ہوگا اور چوتھے کو اس
تیسرے کی نسبت یہی گمان ہوگا کہ شاید اس سے چھپانا مقصود ہوگا اسلئے کسیکو تکلیف نہ ہوگی
غرض حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر چیز کے لئے ایک نہایت مناسب قانون مقرر فرمایا ہے
مگر افسوس ہے ہمارے بھائیوں نے ان قانونوں کو کبھی دیکھا بھی تو نہیں۔ بعض لوگ ایسے
ہیں کہ انھوں نے عادتیں ظاہری بھی کچھ درست کیں مگر باطنی اخلاق کو بالکل چھوڑ دیا۔ اور
ایسے لوگ بہت ہیں جنکو اخلاق کے صحیح معنی بھی معلوم نہیں تو سمجھہ لیجیے اخلاق کی درستی ہی
وہ چیز ہے جسکو تصوف کہتے ہیں اور حقیقت اسکی یہ ہے کہ ہم کو جس طرح ظاہری اعمال کا
حکم ہے مثل نماز روزے کے اسیطرح باطنی اعمال کا بھی حکم ہے ہم کو حکم ہے کہ غرور نہ
کریں ہم کو حکم ہے کہ خدا کی محبت پر کسی کی محبت غالب نہ کریں ہم کو حکم ہے کہ دل میں کینہ
نہ رکھیں پھر تبلایئے کہ ہم نے اسکی کیا فکر کی اور جو لوگ کچھ کر بھی رہے ہیں وہ صرف رسم کے
طور پر کر رہے ہیں۔ اصل حقیقت کی طرف بجز تھوڑے آدمیوں کے کسیکو بھی توجہ نہیں۔ تو
اسلام کامل یہ ہوا کہ عقیدے[۱] بھی درست ہوں کہ قرآن وحدیث کے موافق ہوں۔ اور
عبادت[۲] یعنی نماز وروزہ بھی درست ہوں اور معاملات[۳] گواہی تجارت کھیتی وغیرہ بھی شریعت کے
موافق ہوں اور ظاہری عادتیں[۴] بھی درست ہوں جیسے کھانا پینا اُٹھنا بیٹھنا اور اخلاق[۵] باطنی
صبر وشکر وغیرہ یہ سب کے سب بھی موافق شریعت کے ہوں اور یہ پانچ چیزیں ہیں ان
سب کے جمع کر لینے کا نام اسلام کامل ہے اگر ان میں سے ایک جزو بھی کم ہو جاتے۔
تو اسلام ایسا ہے جیسا کوئی شخص خوبصورت تو ہو لیکن اسکے ناک نہ ہو اس بیان سے آپ کو
اسلام کی حقیقت معلوم ہو گئی ہوگی۔ اب غور فرمائیے کہ ہم نے مسلمان کہنے کی کتنی لیاقت پیدا کی
اے مسلمانو اگر تمہیں کسی نے مولوی کہدیا یا شاہ صاحب کہدیا تو اس سے غرور میں نہ آجاؤ
کہ ہم کچھ تو ہونگے جو دوسرے ہم کو بزرگ سمجھتے ہیں صاحبو خود بھی تو اپنی حالت دیکھو کہ ہم واقع
میں کیا ہیں ہماری وہ حالت ہے جیسے ایک قصہ ہے کہ کسی شخص کے پاس ایک عیب دار

بعض نے اخلاق کو چھوڑ دیا

۱۴

اسلام کامل میں پانچ چیزیں ضروری ہیں

ہم مسلمان کہلانے کا کتنا حق ہے

گھوڑا تھا اس نے ایک چابک سوار سے کہا کہ میرا گھوڑا بیچ دو اسنے بازار میں کھڑا کرکے بیچنے کیلئے اس گھوڑے کی بہت کچھ جھوٹی تعریفیں کرنا شروع کیں. مالک نے جو یہ تعریفیں سُنین تو کہنے لگا جب یہ گھوڑا ایسا ہے تو لاؤ مجھی کو دیدو اس بیوقوف نے چابک سوار کی تعریفونکو تو سچا سمجھا اور اس سے دہوکہ کھا لیا اور اپنے تجربہ کو جھوٹا سمجھا یہ خیال نہ کیا کہ گھوڑا تو میرا ہی ہے میں نے پانچ برس تک خود اسکو اپنے پاس رکھکر دیکھا ہے اور خود اسکے عیب سے تنگ آکر بیچ رہا ہوں. صاحبو! اسیطرح ہم کو اگر کوئی بزرگ یا مولوی یا خیر خواہ قوم کہتا ہے تو وہ ہماری ہی بناوٹ سے تو دہوکہ کھاکر ایسا کہتا ہے تو پھر اپنی اصلی حالت کو جسے کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں غلط سمجھنا اور خوشامدیون کی تعریفونکو صحیح سمجھنا عجیب بات ہے. اب مین مختصر مختصر ان امراض کے بیان کرتا ہوں. تو سُنئے ہمارے ان امراض کے دو سبب ہیں ایک تو علم کی کمی دوسرے ہمت کی کمزوری. یعنی بعض خرابیاں تو علم کی کمی سے پیدا ہوئی ہیں اور بعض خرابیان ہمت کی کمزوری سے پیدا ہوئی ہیں کہ ہم ان خرابیونکو جانتے ہیں لیکن کم ہمتی سے انکی اصلاح نہیں کرتے اور کم ہمتی خوف خداوندی کی کمی سے پیدا ہوتی ہے جیسے سردی کے وقت نماز کا قضا کر دینا اسکا سبب کم ہمتی اور خوف کی کمی ہے. نفس کہتا ہے کہ اسوقت سردی میں تکلیف ہوگی صبح کو قضا بھی تو پڑھ سکتے ہیں پس سب سے پہلے ان خرابیون کے اسباب کو دُور کرنا چاہیے یعنی اوّل تو ضرورت کے لائق علم دین پڑھنا چاہیے گو مولوی نہ بنے اور اگر مولوی بنجائے تو بہت ہی اچھا ہے رہا دُنیادار و نکا یہ شبہ کہ مولوی بنکر پھر یہ لوگ کھائینگے کہاں سے یہ واقع میں اپنے اُوپر اعتراض کرنا ہے کیونکہ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جو شخص کسی خاص جماعت کی خدمت میں لگا ہوا ہو اسکا سارا خرچ اس جماعت کے ذمہ ہے اور جب یہ بات ہے تو یہ کہنا کہ کہاں سے کہاؤگے واقع میں اپنے اوپر اعتراض کرنا ہے یہ سوال تو مولوی آپ سے کر سکتے تھے کہ یہ ہزاروں طالبعلم مولوی ہوکر کہاں سے کھائینگے مگر وہ تو خدا پر نظر کرکے بیٹھ رہے اور آپ سے کچھ نہیں کہتے مگر اب یہ سوال کرکے آپ خود ہی اپنا عیب یاد دلاتے ہیں کہ ہم میں یہ بھی ایک عیب ہے کہ جن لوگوں کا سارا خرچ ہمارے ذمہ ہے ہم انکا ذرہ برابر بھی خیال نہیں کرتے خلاصہ اس جواب کا یہ ہے کہ قوم کے ذمہ ہے کہ ان لوگونکے سارے خرچ اپنے ذمہ لے مگر مولویونکو یہ چاہیے کہ قوم پر ہرگز نظر نہ کریں اور ہر وقت یہ خیال رکھیں کہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے خدا تعالےٰ ہی کے ہیں اللہ پاک خود انکی ضرورتیں پورا کرنیکا انتظام کر دینگے. اکبر شاہ کی حکایت مشہور ہے کہ ایکمرتبہ وہ شکار میں گئے. اور ساتھیوں سے بچھڑ کر کہیں دُور نکل گئے ایک دیہاتی نے انکو مہمان رکھا اکبر اس سے بہت خوش ہوئے اور کہا کہ تم شہر مین ہمارے پاس آنا چنانچہ وہ دہلی آیا اکبر اسوقت نماز پڑھ رہے تھے نماز سے فارغ ہوکر دعا مانگی دیہاتی نے یہ حالت دیکھی جب اکبر شاہ دُعا سے فارغ ہوئے تو دیہاتی نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے اکبر نے کہا کہ خدا تعالےٰ سے دُعا کر رہا تھا اور اپنی مرادیں مانگ رہا تھا

کہنے لگا کیا تم کو بھی خدا تعالیٰ سے مانگنے کی ضرورت ہوتی ہے اکبر نے کہا بیشک کہنے لگا پھر میں اس سے کیوں نہ مانگوں جس سے مانگنے کی تم کو بھی ضرورت ہوتی ہے۔ پس اہل علم کو چاہئے کہ اگر دین کی خدمت کریں تو نہ اسلئے کہ ہم کو نذرانہ ملیگا۔ خدا کی قسم خدا کا نام دونوں جہان سے بھی قیمتی ہے غرض مولوی اگر بنجائیں تو بہت ہی اچھا ہے لیکن اگر کوئی مولوی نہ بنے تو ضرورت کے لائق دین کا علم ضرور حاصل کر لینا چاہئے اور وہ ضروریات یہ ہیں۔ عقیدے۔ عبادات۔ معاملات۔ اچھی عادتیں۔ اخلاق۔ اسکے بعد خواہ انگریزی پڑھو یا تجارت کا کوئی کام سیکھو جو چاہو کرو اور اگر کوئی صاحب ایسے ہوں جنکی لیاقت بہت اچھی ہو انکو جہاں یہ ضروری علم سکھائے جائیں انکے ساتھ ہی وہ کتابیں بھی پڑھا دی جائیں جن میں بددینوں کے اعتراضوں کا جو انھوں نے اسلام پر کئے ہیں جواب دیا گیا ہے۔ علم دین حاصل کرنیکا یہ طریقہ تو لکھے پڑھے لوگوں کے لئے ہے۔ رہے بے پڑھے لوگ انکے لئے علم دین حاصل کرنیکی یہ تدبیر ہے کہ کوئی مولوی ہفتہ میں ایک دو بار عام لوگوں کو کسی مسجد وغیرہ میں جمع کرکے دین کے احکام سنا دیا کرے اور سمجھا دیا کرے اور عورتوں کو سکھانے کا یہ طریقہ ہے کہ انکے گھر کے لوگ روزمرہ دینی کتابیں انکو پڑھ پڑھ کر سنا دیا کریں اور جو باتیں مولویوں سے سنیں وہ انکے کان میں ڈالتے رہیں اور اگر محلہ میں کوئی پڑھی ہوئی عورت ہو تو کبھی اس سے کتاب پڑھوا کر سن لیا کریں یہ وہ طریقہ ہے کہ اس سے حضور کی امت ساری کی ساری عالم ہو سکتی ہے۔ رہی ہمت کی کمزوری اور خوف کی کمی سو اسکا علاج یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرکے اسمیں یہ سوچا کرو کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے کیا کیا نعمتیں دی ہیں اور ہم نے کیا معاملہ خدا تعالیٰ کے ساتھ کیا ہے پھر یہ سوچو کہ قیامت کا میدان ہوگا اور ہم خدا تعالیٰ کے سامنے ہونگے اور ہم سے ان سب نعمتوں کا سوال ہوگا کہ ہم نے اتنی نعمتیں تم کو دی تھیں اور تم نے اسپر بھی یہ گناہ کئے پھر خدا تعالیٰ کے عذابوں کو یاد کرو اور اسوقت خدا تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر کر خوب رگڑ رگڑ کر دعا کرو اور اپنے گناہوں کی معافی چاہو اگر اسکو نباہ کر کروگے تو ایک ہفتہ میں خدا نے چاہا تو حالت میں بہت بڑا فرق پیدا ہوگا اور اسکے بعد ہر وقت یہ فکر رہا کریگی کہ ہم جو کام کر رہے ہیں وہ جائز ہیں یا ناجائز۔ اور ایک کام یہ کرو کہ اللہ والوں کی خدمت میں کبھی کبھی جایا کرو۔ لیکن کسی ایسے کے پاس جاؤ جو ضرورت کے لائق دین کا علم بھی رکھتا ہو اور اگر ایسا میسر نہ ہو تو بزرگوں کی حکایتیں اور نصیحتیں دیکھا کرو یہ علاج ہے علم کی کمی اور ہمت کی کمزوری کا اور پھر اس حالت پر پابندی رکھو جب تم اس حالت پر پابندی رکھوگے تو اس آیت پر پورا عمل ہو جائیگا ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔ کہ اسلام کے سوا کسی حالت پر نہ مرنا۔ اب خدا تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ عمل کی توفیق دیں۔ آمین ط

تمت

سلسلہ تسہیل المواعظ کی دوسری جلد کا پہلا وعظ اسلام کی تکمیل ختم ہوا ان شاء اللہ دوسرا وعظ رجب سے شروع ہوگا

عالموں کو چاہئے کہ اگر توفیق ہو خدمت خالص دین کی کریں

ضرورت کے لائق علم دین پڑھنا ضروری ہے۔

ان پڑھوں کو علم دین سکھانے کا طریقہ

ہمت کی کمزوری اور خوف کی کمی کا علاج

اللہ والوں کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے

(ح) اسی کے متعلق اسلام کو دعویٰ ہے کہ صحیح معنوں میں صفات الٰہی کو میں ہی بتا سکتا ہوں
اسی کے لئے علم کلام مدون ہے اور اسی میں ہمیشہ علماء اسلام نے دیگر مذاہب کو شکست دی
ہے۔ اس بیان کو طول دینے کی چنداں حاجت نہیں صرف یہ کہنا ہے کہ اس تقریر سے
ثابت ہوگیا کہ خدا کو صرف اس طرح ماننے سے برائت نہیں ہوسکتی کہ ہم خدا کو مانتے ہیں اور
دہریت کو باطل سمجھتے ہیں بلکہ خدا کی ذات کو مع صفات کے ماننا ضروری ہے بلا اسکے
خدا کو ماننا صحیح معنے میں ماننا ہی نہیں کہا جا سکتا بلا اسکے خدا کو ماننا ایسا ہے جیسے کوئی کسی
چیز کو انسان مانے مگر نہ اسمیں حیوۃ کو مانے نہ حواس و ہوش کو نہ عقل کو نہ صورت شکل کو
بلکہ ایک مٹی کے تودے کو انسان کہے اگر کوئی ایسا کرے تو کہا جاویگا کہ یہ جانتا ہی
نہیں کہ انسان کس کو کہتے ہیں اسیطرح جو کوئی خدا کو بلا صفات کے یا غلط صفات کے ساتھ
مانتا ہے اسکو یہی معلوم نہیں کہ خدا کس کو کہتے ہیں جب وہ خدا کی حقیقت ہی کو نہیں جانتا
تو خدا کو ماننا اسکا صحیح کہاں ہوا۔ اب ہمارا دعوے ہے کہ خدا کے صفات صحیح طور پر اسلام
ہی نے بیان کئے ہیں۔ اس دعویٰ کا اعلان ہمیشہ سے کیا گیا اور کیا جا رہا ہے ہمیشہ علماء
اسلام اس دعوے میں دیگر مذاہب پر غالب رہے ہیں یہاں چونکہ اہل اسلام ہی
مخاطب ہیں جو مذہب اسلام کی تصدیق اور تسلیم کرنے کے مدعی ہیں لہذا اُن دلیلوں کو چھوڑ کر
جو غیر مذاہب کے سامنے پیش کیجاتی ہیں مخاطبین سے کہا جاتا ہے کہ جب آپ مسلمان
ہونے کے مدعی ہیں تو خدائے تعالےٰ کو مع ان صفات کے ماننا پڑے گا جو مذہب اسلام
میں بیان ہوئی ہیں تب ہی آپ اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکیں گے اور اگر کوئی خدائے تعالےٰ
کو اُن صفات کے ساتھ نہ مانے جو مذہب اسلام میں بیان ہوتی ہیں وہ مسلمان نہیں
کہا جا سکتا گو وہ اپنا دل خوش کرلے اور زبان سے کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور غور
سے دیکھا جاوے تو یہ شخص نہ صرف اسلام سے خارج ہے بلکہ دہریت سے بھی نہیں بچ سکا
کیونکہ اسلام کی طرف سے جن دلائل سے دیگر ان مذاہب کا بطلان کیا جاتا ہے جو صفات
الٰہی میں غلطی کرتے ہیں ان سب دلیلوں کا خلاصہ دلیل خُلف ہوتی ہے جسکا حاصل یہ ہوتا
ہے کہ جن صفات کے ساتھ تم خدا کو مانتے ہو ان کو ماننے سے خدا کی ذات ہی اڑ جاتی ہے

۹۷

(ح) اور یہ خلاف مفروض ہے یعنی اُس دعوے کے خلاف ہے جسکے اثبات کے لئے دلیل لائی جاتی تھی صفات کو خدا کی خدائی ثابت کرنے کے واسطے مانا جاتا تھا اور ان صفات سے وہ خدائی ہی اُڑ گئی اسیکو دلیل خُلف کہتے ہیں حاصل یہ ہوا کہ خدا کو بلا اُن صفات کے مانتے ہوئے جو مذہب اسلام نے ثابت کی ہیں ماننا بالکل خدا کا انکار ہے اور یہی دہریت ہے تو یہ کہنا ہمارا صحیح ہوگیا کہ وہ مسلمان جو خدا تعالے کو مع ان تمام صفات کے نہ مانے جو مذہب اسلام میں بتائی گئی ہیں وہ نہ صرف اسلام سے خارج ہوا بلکہ دہریت میں مبتلا ہوا جس سے وہ بچنا چاہتا تھا الغرض اسلام صحیح جب ہی ہے جبکہ خدا تعالے کو مع اُن تمام صفات کے مانا جائے جو اسلام نے تعلیم فرمائی ہیں اور اسیوقت توحید کو صحیح توحید کہہ سکیں گے۔ آجکل مسلمانوں کو بوجہ سائنس کی چرچا اور اسکی طرف میلان اور اسمیں انہماک کے اور اسکی طرف حسن اعتقاد کے اُس توحید کے بارہ میں دو غلطیاں ایسی واقع ہوئی ہیں کہ جنکی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ صحیح توحید کے قائل رہے اور ہم کہہ چکے ہیں کہ توحید جب ہی معتبر ہے جب صحیح ہو جب یہ صحیح توحید کے قائل نہ رہے تو نعوذ باللہ اسلام سے خروج لازم آتا ہے کیونکہ توحید ہی اصل اصول مذہب اور بناء اسلام ہے یوں تو ہر مذہب والا توحید کا مدعی ہے پھر اپنے آپ کو مسلمان کہنے کی کیا ضرورت ہے کسی قوم میں شمار کرلو توحید کا نام تو رہے ہی گا جب اپنے آپکو مسلمان کہا تو لازم آیا کہ اُسی توحید کے قائل ہوں جو مذہب اسلام میں ہے اور جو درحقیقت صحیح اور یہی توحید ہے لطف یہ ہے کہ سائنس کی بدولت وہ توحید بھی گئی اور سائنس کے بھی پورے متبع نہ ہوئے کیونکہ سائنس سے مراد ہماری آجکل کا سائنس ہے جو نفس خدا کی ذات ہی کا قائل نہیں صرف یہ کہتا ہے کہ دُنیا کے کام سب کے سب موجودات کی کوششوں اور خواص طبعی سے چل رہے ہیں یہ لوگ بوجہ مسلمان ہونیکے مدعی ہونے کے خدا کے قائل ہیں اسواسطے تو سائنس کے خلاف رہے اور اسلام سے اسواسطے علیحدہ ہوگئے کہ خدا کی ذات کے اُس طرح قائل نہیں جس طرح اسلام نے بتایا اور جسطرح قائل ہونا ضروری تھا جیسا کہ ہم نے مشرح بیان کیا لہذا لا الٰہ ہو لا رو لا الٰہ ہو لا

(ا) ایک غلطی تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفت مخصوصہ قدم میں ایک دوسری چیز کو شریک کیا یعنی مادہ کو قدیم ماننا

(ح) کے مصداق ہوئے وہ دو غلطیاں یہ ہیں ایک میں تو خدا تعالیٰ کی اس صفت میں جو ذات خداوندی کے ساتھ خاص ہے دوسرے کو شریک کرنا لازم آتا ہے اور ظاہر ہے کہ توحید اور شرک دو متضاد چیزیں ہیں موحد کو شرک سے کیا علاقہ۔ یہ مسئلہ قدم مادہ کا ہے قدیم ہونا ایسی صفت ہے کہ ذات پاک خداوندی عزاسمہ کے سوا کسی کے واسطے نہیں مانی جاسکتی آجکل مسلمان سائنس کے دہوکوں میں آکر اسطرف جھک گئے ہیں اور انکو اس مسئلہ میں کچھ تردد پیدا ہو گیا ہے (اسی کا بیان اس اشتباہ اول میں ہوگا) اور دوسری غلطی میں خدائے تعالیٰ کی ذات پاک سے ایک صفت کی نفی لازم آتی ہے وہ قدرت عامہ کا مسئلہ ہے اسکا بیان اشتباہ دوم میں آئے گا۔ بڑی شکایت مسلمانوں سے یہ ہے کہ اگر انکو سائنس حال کی تعلیم یا سائنس دانوں کی صحبت کی وجہ سے اس قسم کے ترددات پیش آتے ہیں تو انکو علماء اسلام کے سامنے پیش کیوں نہیں کرتے علماء اسلام کا فلسفہ (علم کلام) ایسا زبردست اور حاوی اور جامع علم ہے کہ ہمیشہ مخالفین کو نیچا دکھایا ہے اور کبھی کسی خیال اور عقیدے والے کو اسکے سامنے سوائے سر جھکانے کے کچھ نہیں بن پڑا۔ قدم مادہ کا مسئلہ آجکل بھی آریوں کی وجہ سے چھڑا ہوا ہے اور بارہا اسپر مناظرے اور مباحثے ہو چکے ہیں اور علماء اسلام کی طرف سے اسپر مستقل رسالے لکھے جاچکے ہیں جنکا جواب کوئی نہیں دے سکا ہاں تھوڑی بہت تلاش شرط ہے کتب خانہ قاسمی دیوبند سے اور اور بہت کتبخانوں سے ایسی کتابیں مل سکتی ہیں۔

پہلی غلطی کا بیان۔ وہ غلطی یہ ہے کہ خیال ہو گیا ہے کہ دُنیا میں ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوق ہے جن میں طرح طرح کے تغیرات ہوتے رہتے ہیں مثلاً آدمی زندہ ہے پھر مر جاتا ہے پھر اسکو مٹی میں دفن کر دیتے ہیں تو وہ چند روز میں مٹی بن جاتا ہے پھر فرض کرو کہ اس قبر پر ہل چل جاتا ہے اور دانہ بو دیا جاتا ہے پھر اس سے ایک درخت پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ یہ درخت اُسی مٹی کے اجزاء سے بنا ہے جس میں مردہ کے اجزا شامل تھے پھر وہ درخت کسی کی غذا بنجاتا ہے اور گوشت پوست کی صورت اختیار کرتا ہے پھر مٹی ہوتا ہے۔ غرض

۹۹

(ح) ہزارون تغیرات ہوتے ہیں مگر یہ نہیں ہوتا کہ کوئی چیز نہ رہے کسی نہ کسی صورت میں اسکا
وجود رہتا ہے کوئی صورت ایسی نہیں سمجھ میں آتی کہ ایک چیز مٹتے مٹتے فانی محض ہو جاوے
اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز معدوم محض نہیں ہو سکتی یہ تو زمانہ مستقبل کے متعلق ہوا اسی
طرح زمانہ ماضی کا بھی حال ہے کہ جس چیز کو ہم موجود پاتے ہیں اسکو بھی ایسا نہیں پاتے
کہ عدم محض سے وجود میں آئی ہو بلکہ وہ چیز پہلے کچھ اور تھی اور اس سے پہلے کچھ اور اور
اس سے پہلے کچھ اور غرض کوئی وقت ایسا نہیں پایا گیا کہ وہ چیز کچھ بھی نہ ہو اس سے ثابت
ہوا کہ کسی صورت میں مخلوق کا وجود ہمیشہ سے ہے اور کسی صورت میں ہمیشہ رہے گا بلفظ دیگر صورت
بدلتی رہتی اور فنا ہوتی جاتی ہے مگر صورت کے اندر کوئی چیز ایسی بھی ہے جو موجود رہتی ہے
اور کسی حال میں فنا نہیں ہوتی اسی چیز کا نام مادہ رکہدیا جاتا ہے ثابت ہوا کہ مادہ ازلی
ابدی یا انادی ہے یہ ایسی تقریر ہے کہ اسکے جال میں عوام اور ان پڑہ لوگ ضرور ہی
آجاتے ہیں. آریہ لوگ دیہات میں جاہلون کے سامنے یہ تقریر کرتے ہیں اور اس سے
مادہ کا انادی (قدیم) ہونا ثابت کرتے ہیں اور اس سے آواگون (تناسخ) ثابت کرتے ۱۰۰
ہیں کہ دیکھو بدیہی اور کہلی ہوئی بات ہے کہ کوئی چیز ہست سے نیست نہیں ہوتی صرف جون
بدلتا ہے ابھی آدمی آری تھا ابھی خاک ہو گیا پھر درخت بنگیا پھر اسکو کسی جانور نے کھالیا
اسکا جزو بدن بن گیا اور جانور ہو گیا. اتنے تغیر میں تین جون بدلے خاک کے جون میں آیا.
پھر درخت کے جون میں آیا پھر حیوان کے جون میں اسیطرح سے برابر جون کی تبدیلی ہوتی
رہتی ہے. بیچارے عوام انکے دہوکوں کو کیا جانیں ایسی کہلی ہوئی بات سُنکر تردد میں پڑ جاتے
ہیں کہ یہ تو بالکل کہلی ہوئی بات ہے اسمیں کیا جھونٹ ہے. چونکہ آواگون کا ذکر آ گیا اسواسطے
بہت اختصار کے ساتھ ہم یہیں اُنکے دہوکے کی قلعی کھولے دیتے ہیں تاکہ ناظرین میں سے
کسی کے دل میں تردد نہ رہے سمجھ لینا چاہئے کہ آواگون کے معنے انکے نزدیک بھی یہ نہیں
ہیں کہ مادی جسم میں تغیرات ہونا یعنی گوشت پوشت سے خاک بننا دانہ اور دانہ سے درخت
اور درخت سے حیوان بنجانا اسکو عوام کے سامنے محض فریب اور دہوکہا دینے کے واسطے
بیان کردیتے ہیں بلکہ آواگون کے معنے یہ ہیں کہ جیو (روح) کسی قالب میں رہکر جیسے کرم

(ح) (اعمال) کرے اسکو بطور جزا سزا کے دوسرے قالب میں پھر دُنیا میں بھیجا جاتا ہے اگر
پہلے قالب میں اچھے کرم کئے ہیں تو دوسرا قالب اچھا ملتا ہے مثلاً گائے کا قالب ملتا ہے
اور اگر بُرے کرم کئے ہیں تو بُرا قالب مثلاً کیڑوں مکوڑوں چھپکلی۔ بندر۔ سور کا قالب ملتا ہے۔
پھر اس قالب میں اگر وہ اچھے کرم کرتا ہے تو دوبارہ اچھا قالب ملجاتا ہے اور بُرے
کرتا ہے تو اس سے بھی بُرا قالب ملتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جسم کے سڑنے گلنے مٹی بننے
درخت بننے حیوان کا جزو بنجانے کا نام آواگون نہیں ہے جسکو وہ کھلے طور پر دکھادیتے
ہیں بلکہ رُوح کے دوبارہ دُنیا میں کسی قالب میں آنے کا نام ہے اور یہ بات آنکھوں
دیکھتے نہیں نظر آسکتی کیونکہ رُوح آنکھ سے نظر نہیں آتی تو وہ تقریر تو محض جھونٹ اور
دہوکہ ہوئی اور رُوح کے لئے جزا و سزا کے لئے جون بدلنا آنکھوں سے نظر نہیں آسکتا
اسکے لئے دلیل کی ضرورت ہے سو دلیل اسکو ثابت تو کیا کرتی اسکو غلط ثابت کرتی ہے۔
کیونکہ آواگون کے مسئلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی قالب بھی ملے کرم کے بدلے ملتا ہے
ہم پوچھتے ہیں کہ کوئی کرم بھی ہو رُوح سے وہ کرم جبھی تو ہوسکتا ہے جبکہ کسی قالب میں
آجاوے تو سب سے پہلا قالب اچھا یا بُرا رُوح کو کیسے ملا تھا جبکہ اس نے کوئی کرم نہیں کیا
تھا۔ ضرور ماننا پڑے گا کہ پہلے کوئی قالب بلا کسی وجہ کے ملا تھا۔ جب پہلا قالب (جون)
بلا کرم کے ملا تھا تو دوسرے جونوں کے بلا کرم ملنے پر کیا اشکال ہوسکتا ہے ثابت ہوا کہ اگر
ایک ہی رُوح مختلف جونوں (قالبوں) میں آتی بھی ہو تو یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ کرموں
کے بدلے آتی ہو۔ اور اسکی کیا دلیل ہے کہ رُوح مختلف جونوں میں آتی ہے اسکے لئے بھی
دلیل چاہیئے اور دلیل ہے نہیں اور یہ آنکھ سے دیکھنے کی چیز نہیں تو اسکو سوائے توہم
پرستی کے اور کیا کہہ سکتے ہیں اب سوال کیا جاتے گا کہ ضرور کسی بُرے یا اچھے عمل پر ہر ایک
کا خاتمہ ہوگا اسکی جزا سزا کہاں گئی اگر کرم کے لئے جزا سزا لازم ہے (جسکی بنا پر جون بدلنے
اور آواگون کے قائل ہوئے تھے) تو اسکا لزوم اب کہاں گیا اور اگر لازم نہ تھی تو اس جگہ
کے شروع ہی سے کیوں قائل ہوئے وہی عقیدہ کیوں نہ اختیار کیا جو اسلام نے تعلیم دیا
تھا تو آواگون آیا گیا ہوا اور اہل اسلام کا یہ عقیدہ صحیح رہا کہ حق تعالےٰ نے رُوح کو انسانی

۱۰۱

(ح) قالب دیا اور دُنیا میں بھیجا اور اختیار دیا کہ وہ نیک یا بد عمل کرے۔ دُنیا صرف ایک دفعہ
کے لئے انسان کا دار العمل ہی جیسے عمل ہونگے اسکی جزا ایک دن دیجاوے گی جسکا نام قیامت
کا دن ہے لطف یہ ہے کہ قائلین آواگون بھی جونوں کی تبدیلی کے لئے ایک حد کے قائل
ہیں کیونکہ یوں کہتے ہیں کہ ایک پرلو (عالم کا دور) ایک ارب بتیس کروڑ سال کا ہوتا ہے
اسکے بعد اتنی ہی مدت تک دُنیا کا وجود نہیں رہتا پھر دوسری پرلو شروع ہوتی ہے اور اسیطرح
سلسلہ چلا جاتا ہے اور اگر کوئی آواگون کے معنے یہی لے کہ جسم کا سڑنا گلنا مٹی ہو جانا درخت
بنجانا سب آواگون ہے تو ہم اسکی تردید دیکھتی آنکھوں اس طرح کر سکتے ہیں کہ قائلین آواگون
کے نزدیک جون بدلنے کیلئے کچھ قواعد و احکام بھی مقرر ہیں مثلاً اچھے کرم والا گائے کی جون
میں جاتا ہے اور بُرے کرم والا سور کے جون میں مثلاً تو ہم یہ کرسکتے ہیں کہ کوئی کیسا ہی
نیکوکار اور مہاتما ہو ہم اسکے گوشت کو کاٹ کر سور کو کہلا دیں تو ظاہر ہے کہ وہ اسکا جزو بدن
ہو جاویگا اور وہ مہاتما سور کے قالب میں پہنچ جاوینگے اسیطرح ایک شخص کیسا ہی بدکار ہو
اسکا گوشت گائے کو یا کسی انسان کو کہلا دیں وہ گائے کا یا انسان کا جزو بدن بنجاویگا
وہ گائے کے جون میں پہنچ جاویگا۔ غرض یہ محض دہوکہ اور تلبیس ہے کہ جسم کے تغیرات سے
آواگون ثابت کرتے ہیں آواگون کی حقیقت رُوح کا مختلف قالبوں میں آنا ہے اور وہ
دلیل مذکور سے باطل ہے جیسا کہ بیان ہوا (تناسخ کی تردید میں علما نے مستقل رسالے
لکھے ہیں مثلاً ردتناسخ مصنفہ مولانا مرتضے حسن صاحب۔ یہ مطبع قاسمی دیوبند سے ملسکتا ہی)
تناسخ کی بحث ضمناً آگئی تھی اصل گفتگو یہ تھی کہ دُنیا میں کسی چیز کو معدوم محض ہوتے نہیں
دیکھا جاتا۔ صرف صورتوں کا اختلاف دیکھا جاتا ہے۔ اس سے یہ عقیدہ قائم کرلیا کہ مادہ
قدیم ہے اسکا جواب یہ ہے کہ دُنیا کی یہ موجودہ حالت دیکھکر کہ کوئی چیز معدوم محض نہیں
ہوتی بلکہ صرف صورت بدلتی ہے اور کوئی چیز عدم محض سے وجود میں نہیں آتی بلکہ ایک صورت
چھوڑ کر دوسری صورت اختیار کرلیتی ہے اس سے یہ حکم تو لگا سکتے ہیں کہ ایسا ہی دیکھا گیا
ہے لیکن یہ حکم نہیں لگا سکتے کہ اسکے خلاف کبھی نہیں ہوا یا کبھی ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ حکم
لگانا اسکے واجب ہونے کا دعوےٰ کرنا ہی اور اسکے خلاف کو محال کہنے کا دعویٰ کرنا ہے

۱۰۲

(ح) اور معقولات میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جملہ چیزین تین قسم سے باہر نہیں یا واجب (ضروری) ہیں یا ممتنع (محال) ہیں یا ممکن ہیں۔ واجب وہ ہے جسکے موجود ہونے کے ضروری ہونے پر دلیل عقلی قائم ہو جیسے وجود باری تعالے عزاسمہٗ اور ممتنع وہ ہے جسکے نہ ہو سکنے پر دلیل عقلی قائم ہو جیسے اجتماع نقیضین مثلاً کوئی یون کہے کہ زید اسوقت موجود ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ اور جس چیز کے نہ وجود کے ضروری ہونے پر دلیل عقلی موجود ہو نہ ممتنع ہونے پر وہ سب چیزیں ممکن ہیں یعنی اگر اسکا وجود ہو جاوے تو عقلاً منع نہیں اور عدم ہو جاوے تو عقلاً منع نہیں اب ہم پوچھتے ہیں کہ عدم محض سے وجود میں آنا یا موجود چیز کا معدوم محض ہو جانا ان تینون قسمون میں سے کس میں داخل ہے واجب ہے یا ممتنع یا ممکن۔ واجب تو کوئی بھی نہیں کہتا۔ فریق مقابل ممتنع کہتا ہے۔ از روے تقریر مذکور اسکے لئے دلیل عقلی کی ضرورت ہے اسپر کوئی دلیل عقلی نہیں لا سکتا تو لامحالہ تیسری قسم میں داخل رہیگا جسکا نام ممکن ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ عدم محض سے کوئی چیز وجود میں آوے یا وجود سے عدم محض میں چلی جاوے اور اسپر جو دلیل لائی گئی ہے کہ تجربہ کر لو کہ کوئی چیز عدم محض سے وجود میں نہیں آتی نہ ہم موجود چیز کو فانی محض کر سکتے ہیں صرف صورتوں کی تبدیلی ہوتی ہے تو جو لوگ معقولی اور فلسفہ دان ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس دلیل کو استقرار (تجربہ۔ تلاش) کہتے ہیں۔ اسکو دلیل عقلی نہیں کہتے اس سے صرف اس نتیجہ پر پہونچ سکتے ہیں کہ ہم نے جہان تک تلاش کیا ایسا ہی پایا یا یہ کہ ہماری قدرت اتنی ہی ہے کہ تبدیل صورت کر سکتے ہیں ایجاد محض یا اعدام محض نہیں کر سکتے تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ واقع میں کبھی ایسا نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا یا ہمارے سوا کوئی دوسرا بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ بہت موٹی بات ہے کہ اگر ایک اپاہج اور غریب آدمی سے کہا جاوے کہ تو جہاسنکھہ روپیہ پیدا کرلے تو وہ جواب میں یہ تو کہہ سکتا ہے کہ مجھسے ایسا ہونا ناممکن ہے لیکن یہ دعوے نہیں کر سکتا کہ جہاسنکھہ روپیہ پیدا ہونا فی نفسی الامر محال ہے اور اسکے اپنے لئے جہاسنکھہ روپیہ ہونے کو ناممکن کہنے کے معنے بھی اہل عقل کے نزدیک اس سے زیادہ نہیں ہو سکتے کہ مستبعد ہے محال عقلی کوئی نہیں کہہ سکتا کیونکہ ممکن ہے

۱۰۳

(ح) کہ کوئی ایسا شخص جو بہا سنکھہ روپیہ کا مالک ہو اسکو وہ سب روپیہ ہبہ کر دے تو اسکے پاس بہا سنکھہ روپیہ ہو جاویگا اور محال عقلی وہ ہوتا ہے جسکا وجود دلیل عقلی سے باطل ہو اور کبھی ہو ہی نہ سکے جیسے اجتماع نقیضین۔ بنا برین ہم نے اگر دُنیا میں یہی دیکھا ہے کہ وجود محض یا فنا محض نہیں ہوتا یا ہم ایجاد محض یا افنا محض نہیں کر سکتے تو اس سے صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ایسا ہی دیکھا ہے اور ہماری قدرت سے باہر ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا اور کسی کی بھی قدرت میں یہ بات نہیں آسکتی (غلطی یہ ہے کہ آجکل لوگ مستبعد اور محال میں فرق نہیں کرتے۔ حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے دیکھو اصول موضوعہ نمبر ۸) بہت سی چیزیں ہم ایسی پاتے ہیں کہ ہماری قدرت سے باہر ہیں اور بہت سی چیزیں پاتے ہیں جو ہمیشہ سے وہ موجود ہیں پھر بھی کوئی اسکا قائل نہیں کہ وہ مطلقاً قدرت سے باہر ہیں اور کسی کے بھی اختیار کو ان میں دخل نہیں اور وہ قدیم ہیں مثلاً سورج کو ہم نے ہمیشہ سے نکلتے دیکھا ہے ساری عمر سے ہم ایسا ہی دیکھتے ہیں اور پہلے لوگوں سے بھی ایسا ہی سنتے چلے آئے ہیں کہ سورج برابر نکلتا ہے اور ہم اسکے نکلنے کو روک دینے پر قادر نہیں ہیں تو کیا اس سے سورج قدیم یا مطلقاً قدرت سے باہر ہو جاتا ہے اور کوئی دوسرا بھی اُسکو نکلنے سے روک نہیں سکتا بیشک جس نے اسکو پیدا کیا اور نکالا ہے۔ وہ ضرور روک سکتا ہے علیٰ ہذا چاند ستارے ہوا پانی۔ آگ۔ مٹی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کوئی وقت ایسا ہم نے دیکھا یا سُنا ہے کہ یہ چیزیں نہ تھیں۔ علیٰ ہذا آسمان۔ زمین شش جہت[ع] کہ نہ ہم نے کبھی دیکھا کہ یہ چیزیں نہ تھیں نہ ایسا سُنا نہ ان سے ہم جُدا ہو سکتے ہیں ہماری قدرت سے باہر ہے کہ زمین آسمان سے نکل جاویں یا شش جہت کے مقید نہ رہیں تو کیا اس سے لازم آسکتا ہے کہ یہ سب چیزیں قدیم ہوں یا کسیکی قدرت کو ان میں دخل نہ ہو کوئی بھی اسکا قائل نہیں بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انکے خلاف ہونا مستبعد ہے یعنی اگر ایسا وقوع میں آوے تو اچنبھے کی بات ہوگی مگر محال نہیں ہیں اور ہم نہیں کر سکتے تو کیا ہے کوئی قادر ایسا ہو سکتا ہے کہ ایسا کرے وہ وہی ہے جسنے انکو بنایا یا عزّ اسمہ وجلّت قدرتہ۔

۱۰۴

ع داہنا۔ بایاں۔ آگے۔ پیچھے۔ اُوپر۔ نیچے۔ ۱۲ منہ

لہذا وہ قرآن حفظ کرتے ہیں اور گویا کہ اسکا صندوق بنتے ہیں کیونکہ جسطرح صندوق اشیاء کی
حفاظت کرتا ہے اور اُن سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ یونہی یہ بھی ہوتے ہیں کسی نے خوب کہا
ہے کہ اندھے لوگ قرآن کے صندوق ہوتے ہیں کہ الفاظ قرآنیہ اور پند و نصائح و عدو
وعید کو اپنے اندر بھرے ہوتے ہیں لیکن سمجھتے کچھ نہیں لیکن یہ یاد رکھو کہ جو صندوق
قرآن سے بھرا ہوا ہو وہ اس صندوق سے بہتر ہے جو بالکل خالی ہو پس اگر کسیکو عمل
کی پوری پوری توفیق نہ ہو اور قرآن یاد ہو وہ بہتر ہے اس سے جو نہ عمل ہی کرتا ہو نہ
اُسکو قرآن ہی یاد ہو۔ پھر جو صندوق سامان سے خالی ہو وہ اس صندوق سے بہتر ہے
جسمیں چوہے اور سانپ بھرے ہوئے ہوں۔ یعنی اگر کوئی شخص حافظ قرآن بھی نہ ہو
اور اخلاق رذیلہ بھی اپنے اندر نہ رکھتا ہو وہ بہتر ہے اس سے جو حافظ قرآن بھی نہ ہو
اور صفات ذمیمہ بھی اپنے اندر رکھتا ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب آدمی کو وصل محبوب
حاصل ہو جاتا ہے تو اسکی نظر میں دلالہ اس درجہ محبوب نہیں رہتی جتنی کہ پہلے تھی۔ لہذا جب
وصل حق سبحانہ میسر ہو جاتا ہے تو صورت علم جو بمنزلہ دلالہ کے تھی مرغوب نہیں رہتی اور اسکا
طلب کرنا بُرا سمجھا جاتا ہے کیونکہ جب آدمی آسمان پر چڑھ گیا تو ایسی حالت میں سیڑہی
تلاش کرنا بیہودہ حرکت ہے لیکن تم ہمارے اس حکم کو عام نہ سمجھنا بلکہ یہ مخصوص ہے اس صورت
کے ساتھ کہ جب اشتغال بالعلم بعد وصول بغرض وصول ہو لیکن اگر دوسرے کی امداد
کے لئے اور اسکی تعلیم کے لئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور بدون اس غرض کے وصول الی الخیر
کے بعد خیر کا ذریعہ تلاش کرنا اور اسمیں مصروف ہونا بیشک بے معنی ہے دیکھو جب آئینہ
روشن اور صاف ہوجاوے اسوقت اسکو صیقل کرنا ضرور حماقت ہے نیز بادشاہ کا
مقبول ہو کر اور اسکے حضور میں بیٹھکر خط یا قاصد کو ڈہونڈہنا ضرور نادانی ہے۔

۴۱

شرح شبیری

حکایت اس بیان میں کہ صحابہؓ میں پوری قرآن کی حافظ کم ہوتے تھے

در صحابہ کم بُدے حافظ کسے گرچہ شوقے بود جانشان را بسے

یعنی صحابہؓ میں حافظ کوئی کم ہوتا تھا اگرچہ انکی جان کو شوق بہت تھا۔

زانکہ چون مغزش در آگند و رسید قشرہا شد بس رقیق و واکفید

یعنی اسلئے کہ (دیکھو) جب میوہ کا مغز پر ہوجاتا ہے اور (پختگی کو) پہونچ جاتا ہے تو قشر بہت رقیق ہوجاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں۔

قشر جوز و فستق و بادام ہم مغز چون آگندشان شد پوست کم

یعنی اخروٹ اور پستہ اور بادام کا قشر بھی جب مغز بھر جاتا ہے تو وہ پوست کم ہوجاتا ہے (بس اسیطرح)

۴۲ مغز علم افزود کم شد پوستش زانکہ عاشق را بسوزد دوستش

یعنی علم کا مغز بڑھ گیا تو اُسکا پوست کم ہوگیا۔ اسلئے کہ عاشق کو اسکا دوست جلا دیتا ہے مطلب یہ کہ جسطرح کہ عاشق کے مقتضیات کو اسکا معشوق فنا کردیتا ہے اسلئے کہ عاشق کو مقصود وہی ہوتا ہے تو اسیطرح جب مقصود آتا ہے تو توابع زائل ہوجاتے ہیں۔

وصف مطلوبی چو ضد طالبی است وحی و برق نور سوزندۂ نبی است

یعنی وصف مطلوبے جبکہ طالبی کی ضد ہیں تو وحی اور برق نور نبی کو جلانے والی ہے وصف مطلوبی سے مراد اوصاف حق اور وصف طالبی سے مراد اوصاف بشر مطلب یہ کہ اوصاف حق کے آگے اوصاف بشر یہ سبب تابع ہونے کے زائل ہوجاتے ہیں۔

چون تجلی کرد اوصاف قدیم پس بسوزد وصف حادث را گلیم

یعنی جبکہ اوصاف قدیم تجلی کرتے ہیں تو اوصاف حادث کے گلیم کو وہ جلا دیتے ہیں یعنی وہ بہ سبب غیر مقصود ہونے کے اسکے آگے فنا ہو جاتے ہیں تو بس جب انکو عمل بالقرآن حاصل تھا تو انکو الفاظ کا زیادہ اہتمام نہ تھا بلکہ ہر شخص بقدر ضرورت یاد کر لیا کرتا تھا۔ اور یہ حالت تھی کہ۔

ربع قرآن ہر کرا محفوظ بود جل فینا از صحابہ مے شنود

یعنی جسکو کہ ربع قرآن یاد ہوتا تھا وہ صحابہ سے جل فینا سنتا تھا۔ مطلب یہ کہ صحابہ ایسے شخص کی نسبت فرمایا کرتے تھے یہ ہم میں سے بزرگ ہو گیا۔ اور بڑھ گیا۔ اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ جب الفاظ قرآنی کو حفظ کرنا اصل مقصود کے مانع ہے تو پھر حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو کیوں کل قرآن یاد تھا معلوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک فعل عبث کے مرتکب ہوئے اسکے جواب میں فرماتے ہیں کہ۔

جمع صورت با چنین معنے ژرف نیست ممکن جز ز سلطانی شگرف

یعنی ایسے معنی عمیق کے ساتھ صورت کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے بجز کسی بڑے سلطان کے مطلب یہ کہ جمع بین الظاہر والباطن ایسا امر ہے کہ ہر ایک سے ممکن نہیں ہے اور اگر ہو تو سبحان اللہ مقصود اس کہنے سے یہ تھا کہ صرف صورت اور صرف الفاظ مقصود نہ ہونے چاہئیں۔

در چنین مستی مراعات ادب خود نباشد ور بود باشد عجب

یعنی مستی میں ادب کی رعایت خود ہی نہیں ہوتی اور اگر ہو تو عجیب بات ہے مطلب یہ کہ جو شخص مقصود میں مست ہے اسکو اس ادب کی کہاں خبر کہ وہ جمع بین الظاہر والباطن کرے

اور اگر باوجود اس مستی کے کسی کو اسکی خبر رہے تو یہ ہے عجیب بات۔

اندر استغنا مراعات نیاز جمع ضدین است چون گردد دراز

یعنی استغنا کی حالت میں نیاز کی رعایت کرنا دو ضد و نکو جمع کرنا ہے تو یہ کس طرح دراز ہو سکتا ہے یعنی کس طرح وقوع میں آسکتا ہے کہ ضدین جمع ہو جاویں مستی بھی ہو اور ادب بھی ہو۔

جمع ضدین از نیاز افتاد آز باز در وقت تحیّر امتیاز

یعنی ضدین کا جمع نیاز کی وجہ سے حرص ہے اور پھر تحیر کے وقت امتیاز کرنا دیہ تو سخت مشکل ہے) آگے صرف الفاظ کو یاد کرنے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

چون عصا معشوق عمیان می شود کور خود صندوق قرآن می شود

یعنی جیسے کہ عصا اندھوں کا معشوق ہوتا ہے تو اندھا خود صندوق قرآن کا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اصل میں مقصود تو عمل اور حال ہے اور الفاظ اسکے تابع ہیں مگر جو شخص کہ صرف الفاظ کو لئے ہوئے ہو اور عمل کی طرف مطلق توجہ ہی نہ کرے وہ تو بیشک اندھا ہی ہے۔

گفت کوران خود صنادیق اند پُر از حروف مصحف و ذکر و نذر

یعنی کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ اندھے خود صندوق قرآن کے حروف اور ذکر و نذر کے بھرے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اندھے صرف الفاظ قرآن کو یاد کر لیتے ہیں مگر عمل کی طرف توجہ نہیں کرتے تو یہ بے عمل کے بیکار ہے۔ اب یہاں جو لوگ کہ حافظ ہیں انکا دل مرجھانے کا خوف تھا کہ شاید وہ سمجھیں کہ بس پھر کیوں یاد کیا جاوے اسلئے فرماتے ہیں کہ۔

باز صندوقے پُر از قرآن بہ است زانکہ صندوقے بود خالی بدست

یعنی پھر صندوق قرآن سے بھرا ہوا اس سے بہتر ہے کہ ایک صندوق خالی ہاتھ میں ہو

مطلب یہ کہ الفاظ کے حافظ غیر حفاظ سے پھر بھی بہتر ہیں اب یہاں وہ لوگ جو کہ حافظ نہیں ہیں غمگین ہوئے آگے انکی تسلی کے لیے فرماتے ہیں سبحان اللہ عجب جامع تقریر ہے کہ کوئی پہلو چھوٹا ہوا نہیں ہے فرماتے ہیں کہ

باز صندوقے کہ خالی شد زبار — بہ ز صندوقے کہ پُر موش است و مار

یعنی پھر وہ صندوق جو کہ بوجھ سے خالی ہو اس سے بہتر ہے کہ جو سانپوں اور چوہوں سے بھرا ہو۔ مطلب یہ کہ وہ شخص جو کہ حافظ نہیں ہے مگر اسکے عقائد اچھے ہیں خیالات فاسدہ نہیں ہیں تو یہ شخص اس سے بہتر ہے کہ جسکے اندر خباثتیں بھری ہوئی ہیں۔ عقائد خراب ہیں آگے پھر اوپر کے مضمون کی طرف رجوع ہے اوپر کہا تھا کہ مقصود کو حاصل کرنا چاہیے اور غیر مقصود کو ترک کرنا ضروری ہے آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

حاصل اندر وصل چون افتاد مرد — گشت دلالہ بہ پیش مرد سرد

۴۵

یعنی حاصل یہ کہ جب انسان وصل میں پڑ گیا تو دلالہ اسکے آگے سرد ہو گئی۔

چون بہ مطلوبت رسیدی ای ملیح — شد طلبگاری علم اکنون قبیح

یعنی جبکہ تم اپنے مطلوب تک پہونچ گئے اے ملیح تو اب علم کی طلبگاری بری ہے۔

چون شدی بر بامہای آسمان — سرد باشد جستجوئے نردبان

یعنی جبکہ تو آسمان کے اوپر پہونچ گیا تو اب سیڑھی کی جستجو فضول ہے مطلب یہ کہ جب مطلوب حاصل ہو گیا تو اب وسائط اور وسیلوں میں پھنسنا سخت نازیبا ہے۔ اب یہاں طلباء کو شبہ ہو سکتا تھا کہ بس ایک مرتبہ متران خود پڑھکر اب دوبارہ بعد تحصیل کے پھر اسکے پڑھانے میں مشغول ہونا عبث ہے اسکا جواب فرماتے ہیں کہ۔

جز برائے یاری و تعلیم غیر — سرد باشد راہ خیر از بعد خیر

یعنی سوائے دوسرے کی تعلیم اور ہدرد کے لئے کہ اب خیر کے بعد راہ خیر کو لینا بہتر ہے مطلب یہ کہ اگر دوبارہ مشغول ہوتے میں دوسرے کا نفع ہو تو یہ بھی مناسب اور نافع ہے۔

آئینہ روشن کہ شد صاف و جلی — جہل باشد بر نہادن صیقلے

یعنی وہ آئینہ جو کہ روشن اور صاف اور چمکدار ہو تو اسکو صیقل پر رکھنا جہالت ہے۔

پیش سلطان خوش نشستہ در قبول — زشت باشد جستن نامہ و رسول

یعنی بادشاہ کے سامنے قبولیت میں اچھا خاصہ بیٹھے ہوئے نامہ و رسول کو تلاش کرنا بہت ہی معیوب ہے تو بس خلاصہ ان سب کا یہ ہوا کہ مقصود کو ترک کر کے غیر مقصود کو لینا معیوب ہے آگے اسپر ایک عاشق کی حکایت لاتے ہیں کہ ایک عاشق کو بعد مدت کے وصل معشوق ہوا تو وہ اسوقت پچھلے خطوط کو جنمیں کہ اُس نے شکایت ہجراں کی تھی اور اسکے جور و ظلم کو لکھا تھا لے بیٹھا تو معشوق نے کہا کہ ارے بیوقوف جب تجھے اصل معشوق حاصل ہے تو انھیں کیوں پڑتا ہے اسمیں پڑنا سخت بیوقوفی ہے تو اسیطرح جب ان حضرات کو اصل مقصود قرب حق میسر ہوتا ہے تو یہ نہ تو کسی سے مناظرہ میں الجھیں اور نہ صرف الفاظ کے تابع ہوں بلکہ توابع کو صرف وسائط اور وصول تک رکھتے ہیں اور جب قرب حاصل ہو گیا پس پھر ان سب سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

آن یکے را یار پیش خود نشاند	نامہ بیرون کرد و پیش یار خواند
بیتہا در نامہ و مدح و ثنا	زاری و مسکینی و بس لابہا

گریہ و افغان حزن و درد خویش ۔ خواری و بیزاری با اہل و خویش

دوری و رنجوری از ہجران دوست ۔ ذکر پیغام و رسول از مغز و پوست

ہمچنین میخواند با معشوق خود ۔ تا کہ بیرون شد ز حصر و حد و عد

گفت معشوق این اگر بہر من است ۔ گاہ وصل این عمر ضائع کردنست

من بہ پیشت حاضر و تو نامہ خوان ۔ نیست این بارے نشان عاشقان

گفت اینجا حاضری اما ولیک ۔ من نمی یابم نصیب خویش نیک ۴۷

آنچہ می دیدم ز تو پارینہ سال ۔ نیست این دم گرچہ می بینم وصال

من ازین چشمہ زلالے خوردہ ام ۔ دیدہ و دل ز آب تازہ کردہ ام

چشمہ می بینم و لیکن آب نے ۔ راہ آبم را مگر زد رہزنے

گفت پس من نیستم معشوق تو ۔ من بہ بلغار و مرادت در قتو

عاشقی تو بر من و بر حالتے ۔ حالت اندر دست نبود ای فتے

پس نیم کلّے مطلوب تو من — جزو مقصودم ترا اندر زمن

خانهٔ معشوقه ام معشوق نے — عشق بر نقد ست بر صندوق نے

هست معشوق آنکه او یکتو بود — مبتدا و منتهایت او بود

چون بیابی اش نباشے منتظر — هم هویدا او بود هم نیز سر

میر احوال است نے موقوف حال — بندهٔ این ماه باشد ماه و سال

۴۸ چون بگوید حال را فرمان کند — چون بخواهد جسمها را جان کند

منتهے نبود که موقوف است او — منتظر بنشسته باشد حال جو

کیمیائے حال باشد دست او — دست جنبانید شود مس مست او

گر بخواهد مرگ هم شیرین شود — خار و نشتر نرگس و نسرین شود

او بود سلطان حال اندر روش — نے چو تو محروم از حال و کشش

آنکه او موقوف حالست آدمی ست — که گہے افزون و گاہے در کمی ست

(باقی آینده)

الحدیث حدیث صہیب فی قوله تعالیٰ للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادة رواہ مسلم کما ذکرہ المصنف قلت وھو قال (صہیب) قرأ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قوله تعالیٰ للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادة قال اذا دخل اھل الجنة الجنة واھل النار النار نادیٰ منادٍ یا اھل الجنة ان لکم عند اللہ موعدا یرید ان ینجزکموہ قالوا ما ھذا الموعد الم یثقل موازیننا ویبیض وجوھنا ویدخلنا الجنة ویجرنا من النار قال فیرفع الحجاب وینظرون الی وجه اللہ عزوجل فما اعطوا شیئا

حدیث صہیب کی حدیث اس آیت کے متعلق کہ جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اجر نیک ہے اور ایک زائد انعام ہے روایت کیا اسکو مسلم نے جیسا کہ مصنف نے ذکر کیا میں (یعنی عراقی) کہتا ہوں کہ وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑہی للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادة (جس کا ترجمہ اوپر گذرا ہے اور) فرمایا جب اہل جنت جنت میں اور اہل نار نار میں داخل ہو چکیں گے ایک پکارنیوالا پکاریگا اے اہل جنت تمھارے لئے اللہ تعالےٰ کے نزدیک ایک وعدہ ہے وہ تم سے اسکو پورا کرنا چاہتا ہے اہل جنت (تعجب سے) کہیں گے وہ وعدہ کیا ہے کیا اللہ تعالےٰ نے ہماری میزان کو (نیکیوں سے) وزنی نہیں فرمادیا اور کیا ہمارے چہروں کو سفید نہیں کردیا اور کیا ہم کو جنت میں داخل نہیں کردیا اور کیا ہم کو دوزخ سے نہیں بچالیا (اب اس سے بڑھکر کیا ہوگا جو ابھی باقی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پس حجاب اوٹھادیا جاویگا اور حق تعالےٰ کے

احب اليهم من النظر اليه **ف**
دل على روية تعالى وهو ظاهر
يدل على روية الذات وهو
مذهب الجمهور وذهب
البعض الى كونها تجليا مثاليا
كما فى حديث مسلم ايضا
عن ابى هريرة لما سالوه صلى
الله عليه وسلم هل نرى ربنا
يوم القيمة قال صلى الله عليه وسلم
فياتيهم الله فى صورته التى يعرفون
فيقول انا ربكم فيقولون انت
ربنا الحديث والله تعالى منزه
عن الصورة فاقرب تاويلها
هو التجلى المثالى والمبهم يحمل على
المفسر هذا ما قالوه لكن الظاهر ان
هذه الروية فى الموقف يوم القيمة
غير الروية التى فى الجنة الكرامة
اولياء الله تعالى وانما هذه للامتحان
صرح به الخطابى كما نقله عنه النووى
فى شرح مسلم ولا نسلم الابهام
فان قوله عليه السلام ينظرون

١٦٠

روے مبارک کی طرف نظر کریں گے سوا انکو
کوئی چیز ایسی عطا نہیں ہوئی جو ان کے
نزدیک حق تعالیٰ کیطرف نظر کرنے سے
زیادہ محبوب ہو۔ **ف** یہ حدیث رویت
باریتعالیٰ پر صریح دال ہے اور یہ حدیث اپنے
ظاہر الفاظ سے رویت ذات پر دلالت
کرتی ہے اور یہی مذہب ہے جمہور کا اور بعضے
اس رویت کے تجلی مثالی ہونے کی طرف گئے
ہیں جیساکہ مسلم ہی کی دوسری حدیث میں
حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے جبکہ
بعض صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سے سوال کیا کیا ہم قیامت کے دن
اپنے رب کو دیکھیں گے آپ کے ارشاد
تک کہ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس تشریف
لاویں گے اپنی اس صورت میں جس کو
یہ پہچانتے ہوں گے اور فرمائیں گے کہ میں
تمہارا رب ہوں وہ لوگ عرض کریں گے
آپ ہمارے رب ہیں الخ (تو اس حدیث
میں اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ صورت وارد ہے
اور اللہ تعالیٰ صورت سے منزہ ہیں (پس
لامحالہ یہ ماؤل ہوگا) اور سب تاویلات

الی وجہ اللہ تعالیٰ صریح فی رؤیۃ
العین فلا یفسرہا بالتجلی المثالی
ولتمیم الفائدۃ انقل لک ذالک
الحدیث مع توجیہ بعض اجزائہ
علی اصول القوم واللفظ لابی سعید
الخدری حین یقال لاھل الموقف
لیتبع کل امۃ ما کانت تعبد وفی
آخرہ حتی اذا لم یبق الا من کان
یعبد اللہ تعالیٰ من بر و فاجر اتاھم
رب العلمین فی ادنی صورۃ من
التی راوہ فیھا ای عرفوہ بھا
کما فی لفظ ابی ھریرۃ وتبقی ھذہ
الامۃ فیھا منافقوھا فیاتیھم اللہ
فی صورۃ غیر صورتہ التی یعرفون
الحدیث ای قبل ذلک فی الدنیا
ویکون ھذا تجلیا مثالیا کما ھو
ظاھر من لفظ الصورۃ
قال فماذا تنتظرون یتبع کل امۃ ما کانت تعبد
قالوا یا ربنا فارقنا الناس
افقر ما کنا الیھم ولم
نصاحبھم فیقول انا ربکم

میں قریب تر تاویل تجلی مثالی ہے اور مبہم کو
مفسر پر محمول کیا جاتا ہے (پس رویت کا
بطریق مثالی ہونا ثابت ہوگیا) یہ وہ قول
ہے جو اپنے مطلوب پر استدلال میں)
انہوں نے کہا ہے لیکن (یہ استدلال کافی
نہیں کیونکہ) ظاہر یہ ہے کہ یہ رویت جو قیامت
کے دن موقف میں ہوگی اس رویت سے
مغائر ہوگی جو جنت میں مقبولان حق کے
اکرام کے لیئے ہوگی اور یہ (موقف کی رویت)
تو محض امتحان کے لیئے ہوگی (جیسا عنقریب
آتا ہے) خطابی نے اس تغائر کی تصریح کی
ہے جیسا کہ نووی نے شرح مسلم میں ان سے
نقل کیا ہے اور ہم ابہام کو تسلیم نہیں کرتے۔
کیونکہ یہ قول ینظرون الی وجہ اللہ تعالیٰ
رویت عین میں صریح ہے پس اس کی تجلی مثالی
کے ساتھ مفسر نکریں گے اور تتمیم فائدہ کیلئے
میں اس حدیث کو مع اس کے بعض اجزا
کی توجیہ بنا بر اصول قوم کے ابو سعید خدری رض
کے الفاظ سے نقل کرتا ہوں جبکہ اہل موقف
سے کہا جاویگا ہر جماعت کو چاہیئے کہ اپنے
معبود کے ساتھ جائے اور اس حدیث کے

فیقولون نعوذ باللہ منک
لا نشرک باللہ شیئا مرتین او ثلثا
حتی ان بعضهم لیکاد ان ینقلب
عن الصواب ویرجع عنه
للامتحان الشدید الذی
جری قال النواوی ولعل
وجه انکارهم ان الوجه الذی
یعرفون به الحق فی الدنیا
تجلی مثالی ایضا علی اوضاع
مختلفة فی اذهان مختلفة
ویکون هذا التجلی المثالی فی المحشر
کما دل علیه قوله علیه
السلام فی ادنی صورة من
التی راوه فیها الحدیث ولعل
حکمته الامتحان کما سبق
عن الخطابی والنواوی یعنی
امتحان ایمانهم ودعواهم
التوحید وقولهم فارقنا
الناس فتجلی لهم فی غیر
صورتهم الذهنیة ولم
یخلق فیهم علما ضروریا بکونه تجلیا ربانیا

۱۶۲

آخر میں ہے کہ یہاں تک کہ جب کوئی باقی
نہ رہے گا بجز ان لوگوں کے جو اللہ تعالےٰ
کی عبادت کرتے تھے خواہ نیک ہوں یا بد
اسوقت رب العالمین ان کے پاس ایسی صورت
میں تشریف لاویں گے جو اس صورت سے مابعد
کے درجہ میں ہوگی جسمیں پہلے دیکھا تھا یعنی
جس صورت سے پہلے معرفت حاصل تھی جیسے
ابو ہریرة رضہ کے الفاظ میں اس طرح ہے
کہ یہ امت باقی رہ جاوے گی جسمیں منافقین بھی
ہوں گے پس اللہ تعالےٰ ان کے پاس ایک
ایسی صورت میں آویں گے جو اسکی اس صورت
سے غیر ہوگی جسکی ان لوگوں کو معرفت
حاصل تھی یعنی اس سے قبل دنیا میں پس ایسے
جو دیکھنے کی تفسیر معرفت سے کی ہے وہ اس
دلیل سے ثابت ہوگئی اور یہ رویت تجلی
مثالی ہوگی جب لفظ صورت کا ظاہر مدلول ہے)
پھر ارشاد ہوگا تم کس چیز کے منتظر ہو ہر
جماعت اپنے معبود کے ساتھ جاوے
وہ لوگ عرض کریں گے اے ہمارے رب
ہم (صرف آپ کے لیئے) دوسرے لوگوں سے
ایسی حالت میں جدا ہوئے۔

(باقی آئندہ)

(۱۳۰) خانصاحب نے فرمایا کہ سفر حج میں یا جہاد میں مولوی عبدالحی صاحب کی بیوی انکے ساتھ تھیں۔ اور دوسرے لوگون کی بیویان بھی اُنکے ساتھ تھیں ایک مقام پر پردہ کا انتظام کرکے اُنھون نے اپنی بیوی کو اتارا۔ اور اس سے نماز پڑھوائی۔ اور ساتھیون سے فرمایا کہ صاحبو دیکھ لو۔ عبدالحی کی بیوی نماز پڑھ رہی ہے اسپر اور لوگون نے بھی اپنی اپنی بیویون سے نماز پڑھوائی۔

حاشیہ حکایت (۱۳۰) قولہ دیکھ لو **اقول** مَیں نے کسی سے سُنا ہے کہ وہ برقع میں تھیں یہ لفظ دیکھ لو بھی اسپر دال ہے مطلب یہ تھا کہ عرفی پردہ ایسے نہیں ہے شرعی پردہ کافی ہے کیونکہ بہلی میں نماز کی کوئی صورت نہیں قیام ممکن نہیں اور قعود جائز نہیں (**ششت**)

(۱۳۱) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبدالحی صاحب جہاد مین شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ اپنی موت سے انتقال فرمایا ہے۔ جب ان کا انتقال ہونے لگا ہے تو انھون نے سید صاحب سے عرض کیا کہ سید صاحب شہادت تو میری قسمت میں نہ ہوئی اب اتنی تمنا ہے کہ آپ اپنا قدم مبارک میرے سینہ پر رکھدیجئے کہ اسی حالت میں میری جان نکل جاوے سید صاحب نے فرمایا کہ میرا پاؤن اس قابل کہان ہے کہ آپ کے سینہ پر ہو اور آپ نے انکی تسلی کیلئے اپنا ہاتھ انکے سینہ پر رکھدیا اور اسی حالت میں اُنکا انتقال ہوگیا۔

حاشیہ حکایت (۱۳۱) قولہ اپنا قدم مبارک **اقول** کیا انتہا ہے عقیدت کی اور اس عقیدت پر جب اظہار حق کا وقت ہوتا تھا تو خود سید صاحب ان کا بیحد ادب فرماتے تھے چنانچہ حکایت (۱۲۹) میں گذرا ہے کہ مولوی صاحب کے غصہ کے وقت سید صاحب انکے پیچھے چھپ جاتے تھے۔ ؎

وزیرے چنین شہریارے چنان ❖ جہان چون نگیرد قرارے جہان (**ششت**)

(۱۳۲) خانصاحب نے فرمایا کہ غدر میں بہت علماء مخالف تھے اور کہتے تھے کہ یہ جہاد نہیں ہے اُنہی میں میر محبوب علی صاحب بھی تھے۔ اور آپ وعظ و نصیحت کے ذریعہ سے لوگون کو غدر سے روکتے تھے جب غدر فرو ہوا تو انگریزون کی طرف سے

۱۳۷

اُنکو گیارہ گاؤن مسلم انعام میں دئے گئے تھے اور ایک بڑا انگریز گاؤن کی معافی کا پروانہ لیکر خود مولوی صاحب کی خدمت میں پہونچا اور کہا کہ گورنمنٹ نے آپکی وفاداری کے صلہ میں آپ کو گیارہ گاؤن عطا کئے ہیں اور یہ پروانہ معافی ہے مولوی صاحب یہ سُنکر نہایت برہم ہوئے اور پروانہ لیکر اُس انگریز کے سامنے پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ میں نے کیا تمہارے لئے کیا تھا میرے نزدیک مسئلہ یون ہی تھا اسلئے میں لوگون کو منع کرتا تھا۔

حاشیہ حکایت (۱۳۲) قولہ کیا تمہارے لئے کیا تھا قول مگراسکے

قبل تو کم فہموں کو ضرور ہی ایسی بدگمانی ہوئی ہوگی جسکا غلط ہونا ثابت ہوا۔ اس سے سبق حاصل ہوا کہ محض قرائن تخمینیہ سے کسی پر کوئی حکم نہ لگا دینا چاہیئے جیسا اس زمانہ میں بھی اسکے نظائر میں ایسے ہی بدگمانی کا زور ہوچکا ہے اللہ تعالےٰ معاف فرمادے (اشت)

(۱۳۳) خانصاحب نے فرمایا کہ مرزا اسریا جاہ بیان فرماتے تھے۔ کہ اکبر شاہ بادشاہ دہلی کی بہن تھین جنکو بی چھکو کہتے تھے یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انھون نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا۔ اسلئے بادشاہ بھی ان کا ادب کرتے تھے اور تمام شاہزادے اور شاہزادیان بھی ان کو بڑا مانتے تھے۔ غرض تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے اور یہ کوسنے اور گالیان بہت دیتی تھیں ایک مرتبہ چند شہزادون اور چند شہدون نے مشورہ کیا کہ ایک روز بھرے مجمع میں بی چھکو سے مولوی اسمٰعیل کو گالیان دلوانی چاہئیں اور اسکے لئے تدبیر یہ کیگئی کہ ان شہزادون نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا۔ جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور مولانا شہید کو بھی اور جو شہزادے اور شہدے اپنے ہم مذاق تھے ان کی بھی دعوت کی گئی۔ اور جو شہزادے وغیرہ اُنکے ہم مذاق نہ تھے انکو مدعو نہیں کیا گیا۔ اور اس عرصہ میں یہ کارروائی کی گئی۔ کہ مولانا شہید کی طرف سے بی چھکو کو خوب بھردیا گیا کہ اسمٰعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے اور میران کے بکرے کو ناجائز کہتا ہے فلاں کے روٹ کو منع کرتا ہے فلاں کے توشہ کو شیخ عبدالقادر کی گیارہویں کو منع کرتا ہے اور یہ کرتا ہے وہ کرتا ہے جب خوب اچھی طرح بی چھکو کے کان بھردئے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔ سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں (مگر یہ پردہ میں تھیں) اتفاق سے مولوی اسمٰعیل صاحب کو ذرا دیر ہوگئی اسیر اور

انکو موقع ملا۔ اور انھوں نے چھکو سے کہا کہ دیکھیے یہ شخص کتنا مغرور ہے کہ ابتک نہیں آیا۔ اسپروہ اور بھی برہم ہوگئیں۔ غرض جب مولانا شہید جلسہ میں پہونچے ہیں اسوقت یار لوگ بی چھکو کو خوب برہم کر چکے تھے انکے پہونچنے پر بی چھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسمٰعیل آگیا۔ مولانا جلسہ کا رنگ دیکھکر تاڑ گئے تھے کہ آج ضرور کوئی شرارت کیگئی ہے آپ نے اسکا تو کچھ جواب نہیں دیا اور فرمایا اخاہ یہ آواز تو چھکو اماں کی معلوم ہوتی ہے اماں سلام۔ جب انھوں نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ سب کافور ہوگیا اور انھوں نے بڑوں کے قاعدے سے انکے سلام کا جواب دیا اور ادھر اُدھر کی دو چار باتیں کرکے کہا کہ اسمٰعیل ہم نے سُنا ہے کہ تم بی بی کی صحنک کو منع کرتے ہو مولانا نے فرمایا کہ اماں میں منع نہیں کرتا بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحنک کو منع کروں۔ انھوں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ جو کوئی کہتا ہے غلط کہتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان منع کرتے ہیں میں لوگوں کو بی بی کے اباجان کا حکم سُناتا ہوں اسپر بی چھکو نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا کہ بی بی کے ابا منع کرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا جی ہاں چنانچہ وہ فرماتے ہیں من احدث فی دیننا ھذا مالیس منہ فھو رد۔ اور حدیث کو پڑھکر اسکی تفصیل فرمائی اور اس سے صحنک کی ممانعت ثابت فرمائی۔ بی چھکو نے جو یہ تقریر سُنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب سے اگر کوئی کرے گی تو اس حرامزادی کی ناک چٹیا کاٹ لونگی ہم بی بی پر ایمان نہیں لائے۔ ہم تو بی بی کے ابا پر ایمان لائے ہیں جب وہی منع کرتے ہیں تو پھر ہم کیوں کریں۔

حاشیہ حکایت (۱۳۳) قولہ اماں سلام اقول

اسپر خلاف سنت کا شبہ نہ کیا جاوے قرآن مجید میں قال سلام کی جو ترکیب ہے وہ اس میں بھی ہوسکتی ہے باقی علیک کی تصریح نہ کرنا مصلحت سے ہوگا کہ جاہل مخاطب کو اس سے اور وحشت ہوتی کہ یے ادب اور متشدد ہیں (**ش ت**)

(۱۳۴) خانصاحب نے فرمایا مولوی اسمٰعیل صاحب کاندہلوی (مولوی یحیٰی صاحب کے والد) اور مولوی عبدالرحیم صاحب رانڈوں کی شادی والے بیان کرتے تھے کہ

مولوی اسمٰعیل صاحب کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں کوئی میلا ہوتا خواہ ہندوؤں کا ہو یا مسلمانوں کا یا کوئی اور مجمع ہوتا جیسے ناچ کی محفل یا قوالی کی محفل تو آپ وہاں پہونچتے اور کھڑے ہو کر وعظ فرماتے اور اسکا اثر یہ ہوتا تھا کہ جہاں ناچ یا قوالی وغیرہ کی محفل ہوتی اور آپ وہاں وعظ فرماتے تو اکثر لوگ محفل کو چھوڑ کر آپکے وعظ میں آجایا کرتے تھے آپ حضرت نظام الدین اولیاء میں بھی پہونچتے تھے اور وہاں بھی وعظ فرماتے تھے اور وہاں بھی یہ ہی اثر ہونے لگا تھا جب مجاوروں نے یہ رنگ دیکھا تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور انھوں نے مشورہ کیا کہ مولوی اسمٰعیل کو کسی طرح قتل کر دینا چاہیئے۔ اسپر ایک بڈھے نے آپکے قتل کا بیڑا اُٹھایا اور کہا کہ میں انکو قتل کرونگا غرض یہ امر طے پا گیا ایک روز مولانا شہید جامع مسجد کے بیچ کے در میں وعظ فرما رہے تھے کہ اس بڈھے نے مولانا پر تلوار کا وار کیا۔ سو مولانا تو بچ گئے مگر وہ تلوار انکے ایک دوست کے لگی اور انکا شانہ زخمی ہو گیا (خانصاحب نے فرمایا کہ راویوں نے ان دوست کا نام بھی لیا تھا مگر مجھے یاد نہیں رہا) اسپر مولانا کے دوست اس بڈھے کو لپٹ گئے اور تھپڑ وغیرہ مارے۔ مولانا نے اس بڈھے کو چھڑا دیا۔ اور کوئی مقدمہ نہیں چلایا۔

۱۴۰

حاشیہ حکایت (۱۳۴) قولہ حیلولۃ بین المظلوم والانتقام کا شبہ نہ کیا جاوے کیونکہ یہ انتقام اپنے مظلومیت کا نہ تھا مولانا کے سئے تھا اور یہ متیقن تھا کہ مولانا کے خلاف وہ دوست نہ کرینگے (**اشرف**)

(۱۳۵) خانصاحب نے فرمایا کہ مولوی عبد القیوم صاحب فرماتے تھے شاہزادہ جنات کا سانپ کی صورت میں قتل کرنا اور اسکے بعد قاضی جنات کی عدالت میں بحیثیت مجرمانہ پیش ہونا اور قاضی کا حدیث من قتل فی غیر زیہ فدمہ ھدر۔ کی بناء پر مجرم کو رہا کرنا یہ شاہ ولی اللہ صاحب کو پیش آیا تھا نہ کہ شاہ اہل اللہ صاحب کو اور انھوں نے اس روایت کے علاوہ اس جن سے اور حدیثیں بھی سُنی ہیں جنکو شاہ صاحب نے جمع کر کے اُسکا نام مسند جن رکھا ہے اور مولانا عبد القیوم صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے وہ مسند دیکھا بھی ہے۔

(باقی آیندہ)

نیز دو کنیزیں ایک کافرہ کے مُلک میں تھیں جب ان دونوں نے دین اسلام قبول کیا تو اس سخت دل جفاکیش کافرہ نے اسلام لانے کے جُرم میں ان پر سخت عذاب کرنا شروع کر دیا۔ جس وقت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ یہ دونوں محض اسلام لانے کی وجہ سے گرفتار رنج و محن ہیں تو آپ نے انکی مالکہ سے خاطر خواہ قیمت دیکر دونوں کو خرید لیا اور انکے پاس گئے تو دیکھا کہ دونوں کنیزیں آٹا پیس رہی ہیں آپ نے ان سے کہا کہ اٹھو میرے ہمراہ چلو کہ میں نے تم کو خرید کر آزاد کر دیا ہے انھوں نے جواب دیا کہ تھوڑی دیر توقف فرمایئے ہم آٹا پیسکر اسکو پہنچا دیں تو پھر آپکے ساتھ چلیں کیونکہ ہم اتنے برسوں کا حق مالکیت فراموش کر کے اسکا کام ادہریں نہ چھوڑینگے۔ انکے علاوہ اور بہت سے لونڈی غلاموں کو جو ستم کیش ظالم کافروں کے پنجہ ظلم میں (محض اسوجہ سے کہ انھوں نے بُت پرستی سے تائب ہو کر صرف خدائے قدوس کی پرستش کو اپنا مطمح نظر بنا لیا تھا) گرفتار، انکی نہایت سخت جسمانی اذیتوں میں مبتلا تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہزارہا دراہم کے عوض خرید کر لوجہ اللہ آزاد کر دیا اسی بنا پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جیسا نفع مجھ کو ابو بکر کے مال نے دیا کسی کے مال نے ایسا نفع نہیں دیا۔"

بہرحال ان حضرات کے حالات کا مطالعہ مخالفین اسلام کے اس اعتراض کو دفع کرتا ہے کہ "اسلام کی اشاعت بزور شمشیر ہوئی" بلکہ ایک حقیقت شناس طالب حق کو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان لوگوں نے برضا و رغبت اسلام کو حق مذہب سمجھکر قبول کیا ہے۔ نیز سخت سے سخت مصیبتوں و اذیتوں اور طرح طرح کی جانکاہ تکلیفوں کے پہونچنے کے باوجود ان حضرات کا دائرہ اسلام سے ایک انچ نہ ہٹنا اسپر صاف دلالت کرتا ہے کہ انکے دلوں میں حقانیت اسلام کا اعتقاد کس مضبوطی سے جمع ہوا تھا۔

کفار کی ظلم و تعدی کمزوروں اور بیکسوں ہی پر محدود نہ تھی حضرت ابو بکر صدیق رضی کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا۔ نیز آپ جاہ و اقتدار میں دیگر رؤسائے قریش سے بھی کم نہ تھے تاہم کفار کے حملے آپ پر بھی ہونے لگے بالآخر قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آکر آپ نے یمن کے راستہ حبش کی جانب بغرض ہجرت رخ کیا برک الغماد جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت

پانچ دن کی راہ ہے وہاں تک پہنچے ہی تھے کہ ابن الدغنہ یعنی حارث بن زید سے ملاقات ہو گئی جو قبیلہ قارہ کا سردار اور آپ کا پرانا دوست اور زمانہ گذشتہ کا سچا رفیق تھا اس نے پوچھا کہاں کو؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "میری بے رحم قوم مجھکو مکہ میں رہنے نہیں دیتی چاہتا ہوں کہ اپنا وطن مالوف اور گھر بار چھوڑ کر کہیں الگ جاکر خدا کی عبادت کروں ابن الدغنہ نے کہا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے۔ میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ابن الدغنہ کے اصرار سے واپس آئے۔ ابن الدغنہ مکہ پہنچکر تمام سرداران قریش سے ملا اور کہا کہ تم ایسے شخص کو نکالتے ہو۔ جو مہمان نواز ہے مفلسوں کا مددگار ہے۔ رشتہ داروں کو پالتا ہے مصیبتوں میں کام آتا ہے اور میں نے انکو اپنی پناہ میں لے لیا ہے لہذا کوئی شخص انکو تکلیف پہنچانے کا خیال بھی نہ کرے کفار قریش نے ابن الدغنہ کے امن کا انکار تو نہیں کیا لیکن یہ شرط ضرور لگائی کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نمازوں میں چھپکے جو چاہیں پڑھیں بلند آواز سے قرآن نہ پڑھیں کیونکہ اُن کا خوش الحانی سے رو رو کر کلام مجید پڑھنا ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر ڈالتا اور انکے دلوں کو اپنی طرف کھینچتا اور اپنا گرویدہ بناتا ہے ہم کو اندیشہ ہے کہ قریش عورتیں اور بچے قرآن پر مائل ہوکر اپنے آباواجداد کے دین سے نہ منحرف ہو جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چند روز یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر انھوں نے صحن مکان میں ایک مختصر سی مسجد بنائی اور اس میں خضوع اور خشوع کے ساتھ مشغول رہتے اور اسی جگہ تلاوت کلام الہٰی کرتے اور نماز پڑھتے تھے آپ نہایت رقیق القلب تھے قرآن شریف پڑھتے تو بے اختیار روتے عورتیں اور بچے ان کو دیکھتے تو نہایت متاثر ہوتے کفار قریش نے جو سیدنا ابوبکر کے اہل محلہ تھے ابن الدغنہ سے شکایت کی اس نے آپ سے کہا کہ اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا حضرت ابوبکر رضی اللہ نے کہا کہ میرا پیدا کرنے والا میرا نگہبان ہے مجھکو اسکی حفاظت بس ہے تمہارے جوار سے مستعفی ہوتا ہوں۔ میں تمہارا ملک بخوشی چھوڑ سکتا ہوں۔ لیکن ذکر خدا کسی حال میں ترک نہیں کر سکتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہجرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہ

ابن الدغنہ سے مخالفت ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حالت قابل اطمینان اور باامن نہیں رہی اسلئے پھر دوبارہ آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا اور اس دفعہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ جانے کی اجازت چاہی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے ابوبکر! جلدی نہ کرو ذرا صبر کرو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالے کسی اور بندہ کو بھی تمہارے ساتھ کردیں کہ وہ تمہارے سفر کا رفیق ہو آپ نے یہ خیال کرکے کہ کیا عجب ہے کہ اس سے خود حضرت کا وجود اقدس مراد ہو اور حضور پرنور کی ہمراہی اور رفاقت کا شرف حاصل ہو ارادہ ہجرت ملتوی کردیا اسکے بعد جسقدر بھی جسمانی یا زبانی ایذائیں اور مصیبتیں اُٹھانا پڑیں ان کو نہایت استقلال کے ساتھ جھیلتے رہے۔

اسی اثناء میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ آسمان پر ایک ماہ کامل نمودار ہوا اور بطحاء مکہ میں اتر آیا جسکی ضیاء عالم تاب سے صحرا کا ذرہ ذرہ روشن ہوگیا تھوڑی دیر کے بعد اس بدر منیر نے آسمان کی جانب رُخ کیا پھر مدینہ منورہ میں جا قرار پکڑا اور ارض یثرب کو اپنی عالمگیر شعاعوں سے جگمگا دیا اس ماہ کامل کے ساتھ سیکڑوں چھوٹے بڑے ستاروں نے بھی اسی جیسی حرکت شروع کی اور مدینہ میں آ قیام کیا پھر وہ ماہ منور کئی ہزار نجوم کے ہمراہ ہوا پر اُڑا اور شہر حرم یعنی مکہ معظمہ میں آاترا جسکی ضو مقدس سے تمام حرم روشن ہوگیا لیکن مدینہ کی پاک زمین ویسی ہی منور رہی جیسی ماہ کامل کے جلوہ گر ہونے پر تھی البتہ تین سو ساٹھ یا کچھ کم وبیش گھر تیرہ و تار نظر آتے رہے (جنکی تقدیر میں اس قدرتی نور ہدایت سے فیضیاب ہونا نہیں لکھا تھا) اسکے بعد وہ بدر کامل مدینہ کی جانب روانہ ہوا اور آپ کی بیٹی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں اترا یکایک زمین شق ہوئی اور ماہتاب اسمیں سما گیا۔

یہ خواب دیکھکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فوراً آنکھ کھل گئی اور آپنے گریہ وزاری شروع کی فی الحقیقت یہ سچی خواب حضرت صدیقؓ اکبر کو آئندہ واقعات کی

۳۹

اطلاع کیلئے دکھائی گئی تھی کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیون کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب کوچ فرمائینگے۔ اور چند سال قیام کرکے بغرض جہاد مکہ پر چڑہائی ہوگی اور آپ عظیم الشان فتح پائینگے مکہ دارالاسلام ہوکر نور ایمان سے منور ہوگا لیکن سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُب اس ترک کئے ہوئے وطن کو قیام گاہ نہ بنائینگے بلکہ مدینہ واپس جائینگے اور تھوڑے ہی دنون کے بعد وہان انتقال فرماکر بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں مدفون ہوجائینگے۔

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے دو اونٹنیان آٹھ سو درہم میں خریدیں اور اس نیت سے ان کو خوب گھاس دانہ کھلاکر تیار کرنا شروع کیا کہ یہ سفر ہجرت میں یثرب جاتے وقت میرے اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کام آئیں گی۔

جبکہ قریش کے ظلم وستم کی گھنگور گھٹائیں پیہم برس کر نہ کھلیں تو رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جان نثاران اسلام کو دارالامان یثرب کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا لیکن خود خدائے قدوس کے حکم کے منتظر رہے مکہ کے باہر اطراف مین جو ذی اثر لوگ مسلمان ہوچکے تھے وہ جان نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے چنانچہ ابوالزبیر نے بروایت جابر رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ طفیل بن عمرو الدوسی نے اپنا محفوظ قلعہ پیش کیا کہ آپ یہان ہجرت کر آئیں لیکن آپ نے انکار فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے یہ شرف انصار ہی کے لئے مخصوص کیا ہے (صحیح مسلم جلد اوّل صفحہ ۴۷ مطبوعہ انصاری)

۴۰

چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پیشتر خواب میں دیکھا دارالہجرۃ ایک پرفضا وبارونق مقام ہے خیال تھا کہ وہ یمامہ کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا (صحیح بخاری جزثانی باب الہجرۃ صفحہ ۴۰۲ مطبوعہ مصر)

کفار قریش نے دیکھا کہ مسلمانون کے ہجرت کرنے سے مکہ کی ویرانی اور یثرب کی آبادی بڑہتی جاتی ہے اور مسلمان مدینہ میں جاکر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہان اسلام پھیلتا جاتا ہے تو ان کو اندیشہ ہوا کہ (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب کو جائے پناہ ملگئی ایسا نہ ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہمارے قبضہ سے اپنے جان نثار مسلمانوں کی طرح مکہ سے نکل جائیں

(باقی آئندہ)

۷۸۶

فیوض الاسلام ترجمۂ جدید فتوح الشام

از مولانا حکیم شبیر احمد صاحب انصاری دام ظلہم

شائقین تاریخ اسلامی کو ہم یہ مژدۂ جانفزا سناتے ہیں کہ جناب مولانا شبیر احمد صاحب انصاری نے فتوح الشام کا نہایت سلیس اور بامحاورہ ترجمہ کیا ہے قدیم ترجمہ میں جو پیچیدگی اور الجھن ہے وہ باخبر حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ اس زمانہ میں چونکہ اردو زبان روز بروز صاف و شستہ ہوتی جاتی ہے اسلئے اس دقیانوسی ترجمہ نے اہم تاریخی واقعات اسلامی فتوحات کی واقفیت کا دروازہ بند کر رکھا تھا اور لوگ شائقین زمانہ حال کے موافق ایک عمدہ اور بامحاورہ ترجمہ کے منتظر رہتے تھے۔ الحمد للہ کہ اس انتظار کی مدت اب ختم ہو گئی ہے اور فیوض الاسلام ترجمہ جدید فتوح الشام نہایت آب و تاب سے ہدیہ ناظرین ہے اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کو غازیان اسلام و مجاہدین ملت کی اولوالعزمی و جان نثاری کے جرأت آموز حالات معلوم ہونگے اور مشہور نامور سپہ سالاران اسلام حضرت ابو عبیدہ بن جراح و حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی مدبرانہ شجاعت و حکیمانہ سیاست کے حیرت انگیز کارنامے ملاحظہ سے گذریں گے۔

پس اے شیفتگان حریت اسلامی اور اے دلدادگان شوکت ملی فتوح الشام کے جدید ترجمہ سے عروج اسلامی کا سچا و صحیح نقشہ دیکھکر اپنی تباہی و بربادی کے اسباب معلوم کرو اور اپنی بزدلی و بے غیرتی پر آنسو بہاکر غیور و اولوالعزم شجاعان اسلام کے کارناموں کو اپنا رہنما بناؤ۔

فیوض الاسلام کی ضخامت ۸۱۲ صفحات تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت تین روپے چار آنہ۔ محصولڈاک بذمہ خریدار
المشتہر:۔ محمد عثمان مالک کتبخانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی